نظریہ معاہدۂ عمرانی مسلم مفکرین کے افکار کے تناظر میں

(ایک تقابلی جائزہ)

Social Contract Theory of Muslim Philosophers (A Comparative Review)

میمونہ یاسمین[۱]

ABSTRACT

It is said that man is a social animal so social contract is important to live to gether. The social contract theory is one of the most dominent and impressive political theory. Islam has given a unique and complete social and political system with a concept of 'Khilafat' (Caliphate), based on the Qur'an and Sunnah. The Muslim philosophers paid a remarkable contribution regarding social and political contract to solve the problems time by time in the light of Qur'an and Sunnah, such as Al Farabi, Ibn Khaldoon etc.

۱۔تعارف:

چھٹی صدی عیسوی تاریخِ انسانیت کا وہ بدترین دور ہے جس میں انسان ثقافتی اور تمدنی اعتبار سے اخلاقی گراوٹ کا شکار تھا۔ایران مجوسیت کے تحت شرک میں غرق تھے۔سلطنت روما مسیحی تعلیمات کی علمبرداری کے باوجود مشرکانہ عقائد اپنائے ہوئے تھی۔عرب میں قتل وغارت گری، خونریزی وسفا کی کا دور دورہ تھا۔چین میں مُردہ پرستی اور قبر پرستی کا رواج عام تھا۔بھوت پریت ان کے خدا بنے بیٹھے تھے۔غرض یہ کہ انسانیت ضلالت وگمراہی میں اپنا مثال آپ تھی اور اُن کا کوئی سیاسی وعمرانی نظام رائج نہ تھا۔جیسا کہ روسو[۲] نے اپنی کتاب کے آغاز میں کہا:

"Man is born free every where we find him in chains." [۳]

---

[۱] اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ڈھوک الٰہی بخش راولپنڈی

[۲] روسو، ژاں ژاک، (۱۷۱۲ء۔۱۷۷۸ء) جنیوا میں ایک غریب گھڑی ساز کے گھر میں پیدا ہوا۔۱۷۵۰ء میں فرانس میں اسے ادبی شہرت حاصل ہوئی۔تفصیل کے لیے دیکھیے۔انٹرنیشنل انسائیکلو پیڈیا آف دی سوشل سائنسز (نیویارک: دی میک ملن کمپنی۔۱۹۷۲ء)

[۳] روسو، ژاں ژاک، Contract Social، معاہدہ عمرانی، مترجم ڈاکٹر محمود حسین، (کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۶۴ء)، حصہ اول، باب:۸۔

اِن حالات میں قرآن پاک نازل ہوا۔ جس میں مذہبی، سیاسی، سماجی و معاشی غرض یہ کہ ہر میدان کے بارے میں واضح اور مکمل ہدایات پائی جاتی ہیں۔ اس طرح قرآنی نظریات سیاست نہایت واضح اور قابلِ عمل بھی ہیں اور قیامِ امن وامان اور عدل وانصاف کا واحد ذریعہ بھی ہیں۔

۲۔عمرانی نظریہ:

عمرانی نظریہ عمرانیات کی عمارت ہے جس کی بنیاد عمرانی فکر پر ہے۔ مفکرین ہر دور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے افکار کے تاثرات چھوڑے ہیں اور ان افکار کا مقام اتنا بلند تھا کہ نظریات ان میں منتقل ہو گئے اور ان کی تصدیق سائنسی تحقیق سے بھی ہو گئی۔ حکمائے عمرانیات کے نزدیک تحفظ حیات وذات کو درپیش چجاف نے انسانوں کو ایک ضابطے پر متفق اور از خود اس کی پابندی کا شعوری جذبہ عطا کیا۔ حکماء نے اس ضابطے کو معاہدہ عمرانی کا نام دیا۔

۳۔نظریہ معاہدۂ عمرانی سے مُراد:

''معاہدۂ عمرانی'' سے مراد معاشرے کے قانونِ سیاسی ہیں۔ قرآن حکیم معاہدۂ عمرانی کی اس طرح سے وضاحت کرتا ہے:

۱۔ **وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۔** [۱]

۲۔ **وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔** [۲]

ان آیات کا لب لباب یہ ہے کہ ان سب مذکورہ امور میں سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے توحید باری تعالیٰ کے دلائل موجود ہیں'معارف القرآن'' کے مصنف مولانا مفتی محمد شفیع ان آیات کے حوالے سے تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی وحدت پر دلالت کرنے والی بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے''۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ ان چیزوں میں غور نہیں کرتے وہ عقل والے نہیں گو دنیا میں ان کو کیسا ہی عقلمند سمجھا، اور کہا جاتا ہو [۳]

نظریہ معاہدۂ عمرانی سے مراد اصول یا قانونِ سیاسی ہیں۔ جیسا کہ روسو کہتا ہے:

''مسئلہ یہ ہے کہ اجتماع کی کوئی ایسی شکل پیدا کی جائے، جس میں تمام قوتِ اجتماعی کے ذریعے ہر شریک کی جان ومال کی حفاظت ہو سکے اور جس کی بناء پر گو ہر شخص کل میں شریک ہو، تاہم وہ خود صرف اپنی تابعداری کر سکے اور اس کی وہی آزادی برقرار رہے جو اُسے پہلے

---

[۱] ''الرعد۱۳:۳

[۲] الجاثیۃ۴۵:۱۳

[۳] مفتی محمد شفیع، مولانا، معرف القرآن، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۱۰ء)، ج:۵،ص:۱۷۱

حاصل تھی۔ یہ ہے وہ بنیادی مسئلہ جس کا حل' معاہدہ عمرانی 'پیش کرتا ہے''۔[1]

معاہدۂ عمرانی کو مختصراً ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ہم میں سے ہر ایک مشترکہ طور پر اپنی ذات اور اپنی تمام قوت کو ارادۂ اجتماعی کے حوالے کرتا ہے اور اُس کے عوض ہم میں ہر فرد کل کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔[2]

اس تعریف کے تحت فریقین کی انفرادی شخصیت کسی اہمیت کی حامل نہیں رہتی۔ معاہدہ کی بناء پر ایک اخلاقی اور مجموعی شخصیت پیدا ہوتی ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے اپنے انتخاب کے بعد یہ کہا تھا:

''اے مسلمانو! تم نے مجھے اپنا خلیفہ چن لیا ہے حالانکہ مجھے تم پر کسی طرح بھی برتری حاصل نہیں ہے اگر میں اچھے کام کروں تو میری اعانت کرنا اگر غلط کام کروں تو مجھے درست کر دینا جب تک میں خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اگر میں نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں''۔[3]

اس خطبے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سربراہ مملکت کے طرز عمل کی نگرانی اور تعمیری تنقید کے ذریعے اسے صحیح کام کرنے پر آمادہ کرنا بھی مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ جب تک حکمران آئین کی پیروی کریں مسلمان ان کی اعانت میں کسی قسم کا پس وپیش نہ کریں البتہ اگر حاکم آئین کی خلاف ورزی کرے تو دستوری ڈھانچے کے اندر اسے درست کرنے یا منصب سے ہٹنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔[4] میثاق مدینہ[5] دنیا کا سب سے پہلا تحریری معاہدہ عمرانی ہے۔ جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کیا۔

۴۔نظریہ معاہدہ عمرانی مسلم مفکرین کے افکار کے تناظر میں:

کچھ لوگ اتنے ذہین اور صاحب بصیرت ہوتے ہیں کہ ان کے افکار میں بلند پایا گہرائی پائی جاتی ہے۔انہوں نے اپنی خداداصلاحیتوں کو بروئے کار لاکر'' معاہدۂ عمرانی'' قائم کیا جس کو'' سیاسیات'' میں نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

اس میدان میں اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے طرح ڈالی ہے، تو عین انصاف ہوگا۔[6]

چند مشہور و معروف مسلم مفکرین کے سیاسی افکار یا معاہدۂ عمرانی کی وضاحت درج ذیل ہے:

---

[1] روسو'' معاہدۂ عمرانی'' مترجم محمود حسین (ڈاکٹر)،،) کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ)، ص:۵۶

[2] معاہدۂ عمرانی، ص:۵۸

[3] الطبری،، جامع البیان عن تاویل القرآن، (قاہرہ: تحقیق شاکر) ج۔۲،ص۔۱۸۲، بحوالہ فکرونظر، (ج۔۱۶،ش۔۱، جولائی ۱۹۷۸ء)، ص:۳۳

[4] فکرونظر، ایضاً، (ج۔۱۶،ش۔۱، جولائی ۱۹۷۸ء)، ص:۳۳

[5] میثاق مدینہ کے لیے دیکھیے۔ ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، (مصر: مصطفی البابی، ۱۹۵۵ء)، ج۔۲،ص:۴-۵۰۱، المسلم، صحیح المسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[6] ''پروفیسر عبدالحمید،'' عمرانی نظریہ تحقیق''، بعنوان'' مسلمان مفکرین'' ص:۱۴

۱۔۴۔ حضرت عمر فاروقؓ [۱] کا نظریہ معاہدہ عمرانی:

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

''اب تک ہم کعبہ کے سامنے نماز ادا نہ کر سکتے تھے حضرت عمرؓ نے اظہارِ اسلام کے ساتھ ہی ہمارے اس استحقاق کے لیے قریش سے مقابلہ کر کے خود کعبہ میں نماز ادا کی اور ہم نے بھی ان کے صدقے میں''۔ [۲]

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے خطبہ ءخلافت میں معاہدہ عمرانی کے سلسلے میں فرمایا:

''دوستو! کوئی مدعی، ہم میں سے اپنا ایسا دعویٰ تسلیم نہیں کرا سکتا جس کی بنیاد معصیتِ خداوندی پر ہو اور میری تحویل میں جو مال ہے اس کے استحقاق کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ ان یوخذ بالحق (صحتِ مطالبہ-۲) ویعطی بالحق (عطا میں انصاف)

۳۔ ونمنع من الباطل) دعاوی میں صداقت [۳]

ایک مرتبہ آپ نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''سن لیجئے؟ میں نے عمال کو بادشاہ اور حکمران بنا کر متعین نہیں کیا بلکہ امامِ ہدایت کی حیثیت سے نامزد کیا ہے۔ وہ عوام کے رہبر ہیں، عمال کے ذمے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے کہ ان کی بے جا تعریف کر کے انہیں فتنوں میں نہ گرا دیں، عاملوں کو چاہیے کہ عوام کی دادرسی کے وسائل عام کر دیں ورنہ بڑے لوگ غریبوں کو پامال کر دیں گے، ایسا نہ ہو کہ عمال نچلے طبقے کی فریاد سننے سے اغماض برتیں، عوام عمال کے دست وبازو ہیں۔ انہیں ساتھ لیکر کنارے سے مقابلہ کیجئے، اس موقع پر جب یہ تھک جائیں تو انہیں آرام کا موقع پر جب یہ تھک جائیں تو انہیں آرام کا موقع دیجئے جس سے جہاد میں کامیابی حاصل ہوگی''۔ [۴]

یہ حضرت عمرؓ کا معاہدہ عمرانی کا نظریہ ہی تھا جس کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھی گئی اور جس کے تحت حکمران کو محض ایک عارضی اور وقتی طور پر متعین خلیفہ خدا جانا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

''باشندگانِ عرب کی مثال اس اُونٹ سے دی جا سکتی ہے جس کی نکیل ساربان کے ہاتھ میں ہے اور وہ جس طرف چاہتا ہے

---

[۱] فاروقؓ: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ (۵۸۳ء۔ ۶۴۴ء) مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ راشد تھے۔ آپ کے قبول اسلام کے ساتھ ہی مسلمانوں نے جرات مندی سے علی الاعلان خانہ کعبہ میں نماز ادا کی اور حضور ﷺ نے آپ کو" فاروق" کا لقب عطا فرمایا۔ (i) ابن قتیبہؒ دینوری، عبداللہ بن مسلم (م ۲۷۶ھ) المعارف، (قاہرہ، س۔ن)، ص: ۱۷۳ ۔ ۱۷۸ (ii) ندوی، معین الدین، سیر الصحابہ، (معارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۱ء)، ص: ۱/ ۱۳۱۔۱۴۲

[۲] حاکم نیشاپوریؒ، المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، (ریاض: مکتبہ المعارف، س۔ن)، جلد ۳، ص: ۸۳

[۳] نوشہروی، مولانا ابو یحیٰی امام خان، ''حضرت عمرؓ کے سیاسی نظریے''، (لاہور: مکتبہ نذیریہ، ۱۹۷۹)، ص: ۷۶

[۴] نوشہروی، ایضاً، ص: ۷۹

اُسے لے جاتا ہے مگر ربّ کعبہ کی قسم میں آپ لوگوں کو صحیح راستے پر لے جاؤں گا''۔[1]

یہ آپ کے زریں سیاسی قوانین ہی تھے، جس کے تحت نہ صرف عوام الناس اور حکمران کے باہمی تعلق استوار تھا بلکہ ان ہی اُصولوں کی وجہ سے دین اسلام دُور دراز کے علاقوں میں پھیل گیا تھا۔ اور آپ کے دورِ خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود دُور دراز تک پھیل گئیں۔

۴.۲۔ ابونصر فارابی [2] کا نظریہ (۸۷۰-۹۵۰ء):

تیسری صدی ہجری کے مسلم مفکر ابونصر الفارابی نے'' آراء اہل المدینہ الفاضلۃ'' کے نام سے ایک غیر فانی کتاب اپنی یادگار چھوڑی ہے اور اس میں ایک مثالی ریاست اور مثالی انسانی معاشرے کا خاکہ پیش کیا ہے۔ پھر ایک اور کتاب'' فلاسفہ اسلام'' تحریر کی اور اس میں خالص فلسفیانہ انداز میں سیاست سے بحث کی۔ نظامِ سلطنت کے لیے جملہ اُمور، سیاسی تفکر حکومت کے اعلیٰ ترین مثالی نمونے کا تصور، اخلاقی اور سیاسی معیار کی تشکیل اور حکم و محکوم کی غایت و مقصد کا تعین بھی کیا ہے۔

فارابی نے ایک طرف تو شریعت اور فلسفے میں مطابقت کی کوشش کی اور دوسری طرف ارسطو[3] اور افلاطون [4] کے نظریات میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ فارابی افلاطون کی'' جمہوریہ'' جو سیاست کے شعبے سے تھی اور جس کو'Republic' کہا جاتا ہے، اُس سے بہت متاثر تھا۔ اور جب افلاطون کی کسی بات سے اختلاف ہوتا تو وہ ارسطو کا نظریہ پیش کر دیتا تھا۔

الف۔ نظریہ معاہدۂ عمرانی کا بانی: فارابی تاریخ سیاست کا وہ پہلا مفکر ہے، جس نے سب سے پہلے'' نظریہ معاہدۂ عمرانی'' پیش کیا۔ وہ مملکت کو انسانوں کے ایک معاہدۂ عمرانی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ مملکت کے قیام سے پہلے طاقتور کمزوروں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ اُس سے تنگ آ کر انسان نے خود اپنی مرضی سے اپنے حقوق ایک حصہ مرکزی قوّت کے سپرد کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ فارابی کے نظریات بڑی حد تک تصوّری و خیالی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُس نے معاصرانہ حالات سے بالکل چشم پوشی نہیں کی، معیاری ریاست کے مقابلے میں غیر معیاری ریاست کا نظریہ پیش کیا ہے۔ جو تمام کا تمام اپنے زمانے کے حالات کا صحیح عکاس ہے اس طرح سے فارابی اس نظریہ مملکت کا بانی ہے،

---

[1] نوشہروی، ایضاً، ص ۸۶

[2] ابونصر محمد بن محمد بن ترخان بن اوزلغ الفارابی (۸۷۰-۹۵۰ء) محمد نامی ایک ترک سپہ سالار کے گھر میں پیدا ہوا۔ اور قاضی کے عہدے پر مامور رہے۔ معاہدہ عمرانی کے حوالے سے ان کی کتابیں' آراء اہل المدینہ الفاضلہ، السیاسات المدنیہ، احصاء العلوم اور تحصیل السعادۃ بنیادی ماخذ ہیں۔
مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: ابونصر فارابی، احصاء العلوم مترجم ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۱۹۹۹ء)، ص: ۵

[3] ارسطو، (۳۲۲-۳۸۴ ق م)، ارسطو نے سب سے پہلے معاہدہ عمرانی کا نظریہ پیش کیا اور اس پر مشہور کتاب لکھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ارسطو، پالیٹکس (انگریزی)، (مرتبہ سٹینگر ٹی۔اے، ج۔۱)

[4] افلاطون (۳۴۷-۴۲۷ ق م): مشہور زمانہ یونانی فلاسفر، سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: افلاطون، جمہوریہ

جس نے اس کے انتقال کے تقریباً سات سو سال بعد انگلینڈ و فرانس میں شرفِ قبولیت حاصل کیا۔ اگرچہ اہلِ یورپ اس ''ترکِ حقوقِ باہمی'' کے نظریے کے بانی ہابس (۱۵۸۸ء تا ۱۶۷۹ء) کو مانتے ہیں مگر اصل میں فارابی نے ہابس، لاک اور روسو سے بہت پہلے کسی حد تک خامیوں سے پاک نظریہ مملکت پیش کیا۔[1] اس کے نزدیک انسانی معاشرے کا قیام درحقیقت انسان کی فطری ضرورت بھی ہے اور مرتبہ کمال کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ اس کے مطابق:

"ان یکون الانسان ینال الکمال، الذی لا جله جعلت له الفطرة الطبیعیة، الاباجتماعات۔ جماعة کثیرة متعاونین۔ یقوم کل واحد لکل۔ واحد ببعض ما یحتاج الیه فی قومه۔ فیجتمع مما یقوم۔ به جملة الجماعة لکل واحد۔ جمیع ما یحتاج الیه فی قوامه وفی ان یبلغ الکمال" [2]

ب۔ اجتماعات کی اقسام: فارابی کے مطابق انسانی معاشروں یا اجتماعات کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ کامل ۲۔ غیر کامل

پھر معاشرہ کاملہ کے تین درجات متعین کر کے بتائے:

"لاجتماعات الانسانیة۔ فمنها الکاملة، ومنها غیر الکاملة۔ والکاملة ثلاث: عظمی ووسطی وصغری" [3]

ج۔ مدینۃ الفاضلۃ کا تصور: فارابی جملہ حقوق کا محض ایک حصہ سپرد کرنے کا حامی ہے جو کہ مرکز کے حوالہ کیا جائے گا۔ یہ اسلامی مفکر باہمی تنازعات کو ختم کر کے ایک جمہوری نظام کو وجود میں لانا چاہتا ہے۔ اس کے ہاں ایک معیاری مملکت ''المدینۃ الفاضلۃ'' کے مقابلے میں غیر معیاری مملکت کا تصور بھی ہے جسے وہ ''المدینۃ الجاھلیۃ'' کہتا ہے۔ پھر اس کے ہاں ''مدینۃ التغلب'' اور ''نو آبادی'' نظام کی صورتیں بھی ملتی ہیں۔ نیز فارابی مدینۃ الفاضلۃ کی وضاحت بطور مثالی تمدن و معاشرہ کے ان الفاظ میں کرتے ہیں

"فالمدینة التی یقصد۔ بالاجتماع فیها التعاون علی الاشیاء التی تنال بها السعادة فی الحقیقة، هی المدینة الفاضلة۔ والاجتماع الذی به یتعاون علی نیل السعادة هو الاجتماع الفاضل"[4]

تاہم اس کا معاہدہ عمرانی رضا و رغبت پر مبنی ہے۔ فارابی اس معاہدہ عمرانی پر عقیدہ رکھتا ہے جس کی رو سے انسان اپنی ضروریات زندگی کے پیش نظر متحد ہوا ہے۔

د۔ مدینۃ الجاھلیۃ: مدینۃ الفاضلۃ کے بالمقابل فارابی ''مدینۃ الجاھلیۃ'' کا تصور بھی پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا:

"والمدینة الجاهلیة هی التی لم یعرف اهلها السعادة ولا خطرت ببالهم۔ ان ارشد وا الیها فلم

---

[1] رشید احمد، پروفیسر ''مسلمانوں کے سیاسی افکار''، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۶۱)، ص: ۵۲

[2] الفارابی، ابونصر، کتاب آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ، (بیروت، لبنان: المطبعۃ الکاثولیکیۃ، س۔ن) ص: ۹۶

[3] الفارابی ''آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ'' ص: ۹۶

[4] ایضاً ص: ۹۷

یقیموها۔ ولم یعتقدوها" [1]

فارابی جمہوریت کو مدینۃ الجماعۃ کا نام دے کر عوام کے تابع و مطیع حکومت گردانتا ہے۔

مدینة الجماعیة ہی التی قصد أهلها أن یکونوا أحرارا، یعمل کل واحد منهم ما شاء، لا یمنع هواه فی شئءِ أصلا۔[2]

ر۔ رئیس اوّل کی لازمی خصوصیات: رئیس اوّل مملکت کے تمام امور پر کنٹرول رکھنے کا ملکہ رکھتا ہو اور اس سے زیادہ کوئی عاقل نہ ہو اگر زیادہ عاقل مل جائے تو اسی کو رئیس اوّل کے اختیارات تفویض کئے جائیں اور پہلے کو اس کا ماتحت بنا دیا جائے۔ فارابی کے مطابق رئیس اوّل کو ان بارہ صفات سے متصف ہونا چاہیے: نقص سے پاک، زکی و عاقل، قوت بیانیہ تک پہنچنے کی صلاحیت، قوی حافظہ، علمی محبت، لہو ولعب سے متنفر، کنٹرول خواہشات نفسانی، صادق، وسیع القلب، بے خوف اور مالدار۔ فارابی کا رئیس اوّل بطور مرکز جسم ہے اس کے مطابق:

وکما ان العضو الرئیسی فی البدن هو بالطبع أکمل أعضاءه و أتمها فی نفسی وفیما یخصة۔۔۔کذلک رئیس المدینة هو أکمل أجزاء المدینة فیما یخصة۔[3]

ایسے سربراہ کا تصور آسان مگر عملی وجود مشکل ہے۔ الغرض فارابی یورپی مفکرین کے مقابلے میں حقیقت سے زیادہ قریب ہے اس کے مطابق کا معاہدہ عمرانی انسان کی اپنی ضروریات و احتیاجات زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ فارابی کے نقطہ نظر میں اصولاً شخصی حکومت ہونی چاہیے تاہم بوجہ مجبوری جب جملہ صفات سے متصف انسان نہ ملے تو سوائے جمہوریت کے اور کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ حاصل بحث یہ کہ اگر آج بھی فارابی کے نظریات پر عمل کیا جائے تو قابل عمل بھی ہے اور دنیا کو جنگ کے شعلوں سے بچایا جا سکتا ہے۔ فارابی نے اپنے پیش روؤں کے افکار و نظریات پر کڑی تنقید کر کے اپنے تجربات کی روشنی میں جا بجا اصلاح کی ہے۔ مثال کے طور پر فارابی کا انسان ارسطو کی طرح سے مدنی الطبع نہیں ہے۔ انسان کے طبائع میں رسوم و رواج، آب و ہوا اور زبان کا اختلاف اس کو متحد نہیں ہونے دیتا۔ نیز الفارابی کے نزدیک معاہدہ ترک حقوق باہمی ہر مملکت کی بنیاد نہیں بلکہ اس پر مملکت کے کار مبارک کا انحصار ہے۔ وہ کاروبار مملکت کے لئے معاہدہ عمرانی کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ فارابی نے ایک طرف شریعت اور فلسفہ کی تطبیق کی ہے تو دوسری طرف خوارسطو اور افلاطون کے نظریات میں مطابقت پیدا کر دی ہے۔ اگرچہ وہ سیاسی نظریات میں افلاطون سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ مگر جہاں وہ افلاطون سے اختلاف کرتا ہے وہاں اکثر ارسطو کا نظریہ پیش کر دیتا ہے۔

قرآن مجید نے سربراہ مملکت کے لئے جن دو بنیادی صفات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ ہیں بسطۃ فی العلم والجسم۔ فارابی

---

[1] ایضاً، ص:۱۰۹

[2] ایضاً، ص:110

[3] ایضاً، ص:99

کے نزدیک تمام افراد بلحاظِ عقل مساوی درجہ کے حامل نہیں ہو سکتے لہٰذا قوت استنباط قیادت و اقتدار کی جان ہے۔ جو سب سے زیادہ قوی کا مالک ہو گا وہی قائد اوّل ہو گا۔ یہ قیادت اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہوتی جائے گی۔ وہ رئیس اوّل کو قلب اور دیگر اعضائے جسمانی کی حیثیت رکھتے ہیں پھر مختلف طبقوں کے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے۔ فارابی کے ہاں اشتراکیت نا قابل عمل نظریہ ہے کہ اس کا اتحاد جبری ہے۔

۳.۴۔ ابنِ خلدون [1] کا نظریہ معاہدۂ عمرانی (۱۳۳۲۔۱۴۰۶ء):

ابنِ خلدون نے منطق، فلسفہ، ادب اور ریاضی پر بہت سی کتابیں لکھیں لیکن سب سے زیادہ شہرت ''تاریخ ابنِ خلدون'' کو حاصل ہوئی۔ اس کتاب سے پہلے ایک حصہ بطور مقدمہ لکھا جو ''مقدمہ ابنِ خلدون'' کے نام سے مشہور ہوا اور یہی مقدمہ ان کے سیاسی نظریات کا مجموعہ ہے۔ اس میں آبادی کی قسمیں اور شہروں کے وجود میں آنے کے اسباب و اثرات پر روشنی ڈالی گئی۔ آبادی کی نوعیت، ریاست کی ابتداء، حکومتوں کے عروج و زوال اور حکومتوں کی مختلف اقسام سے بھی بحث کی گئی ہے۔

الف۔ علمِ عمرانیات کا موجد: ابنِ خلدون کو علم الاجتماع یا عمرانیات کا بلاشرکت غیرے امام اور موجد کہا جا سکتا ہے اس علم کے قواعد وضع کرنے اور اس کے موضوع اور افادیت پر بات کرنے میں اسے نہ صرف یہ کہ جدید دور کے علمائے عمرانیات پر تقدم و فوقیت ہے بلکہ اس سلسلے میں اس نے جو کام کیا ہے وہ بھی اپنی جگہ بے مثال اور قابلِ فخر ہے۔ [2] ''مقدمہ ابنِ خلدون'' کے تحت ان کا سیاست کے بارے میں یہ قول ملتا ہے: ''سیاست اور حکومت مخلوق کی نگہداشت اور ان کے مفاد کی کفالت اور ضمانت کا نام ہے۔ یہ سیاست خدا کی نیابت ہے اُس کے بندوں پر، اُسی کے احکام نافذ کرنے کے سلسلے میں''۔

ب۔ سیاست کی اقسام: ایک مافوق العادۃ قانونی طاقت ہی یہ جانتی ہے کہ انسانیت عامہ کا عام مفاد جو سب کے لیے یکساں ہے کیا ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک قانونی اثر موجود ہے۔ ''یہ تمہارے کام ہیں اور تم پر ہی عائد کر دیے گئے ہیں''۔ اللہ جو قانون نافذ کرتا ہے وہ انسانوں کے مصالحِ عامہ ہی سے وابستہ ہوتا ہے اور انہی کے فائدہ کو ظاہر کرتا ہے۔ [3]

---

[1] ابن خلدون (۱۳۳۲۔۱۴۰۶ء) ایک مشہور فلسفی، فلسفہ عمرانیات کے بانی، فلسفہ تاریخ کے مؤسس اور ایک مشہور فقیہ اور سیاستدان کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ ان کی زندگی مسلسل نشیب و فراز کا شکار رہی کبھی بادشاہوں کے ساتھ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے تو کبھی ملک بدر بھی ہونا پڑا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: شمٹ Schmidt، ابن خلدون (لاہور: ۱۹۷۶ء)، ص۔ ۴۵ بحوالہ فکر و نظر (اسلام آباد: ج۔ ۳۴ ش۔ ۲)، ص: ۴۰
ابن خلدون، مقدمہ کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر، مترجم سعد حسن خان یوسفی، (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، سن ندارد)، ص۔ ۲۹، خلیفہ، مصطفی بن عبداللہ (م ۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، (بیروت۔ لبنان: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء)، ص: ۱/ ۲۵۴

[2] (۱)۔ لطفی جمعہ، محمد، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، (لاہور: مجلس ترقی ادب)، ص: ۲۳۲ (۲)۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، ابن خلدون، المقدمۃ، (بیروت: منشورات، س۔ن)، ص: ۱/ ۴۱۔ ۱۳۴

[3] غازی حامد انصاری، اسلام کا نظام حکومت، (لاہور: مکتبہ الحسن، س۔ن)، ص: ۲۷

"واحکام السیاسة انما نظلع علی مصالح الدنیا فقط یعلمون ظاهر امن الحیاة الدنیا". [1]

(سیاسی حکومتوں کے احکام دنیاوی مصلحتوں کے اثر سے باہر نہیں آتے صرف دنیاوی زندگی کے نمائشی دائرہ میں نظر آتے ہیں)۔

انہوں نے سیاست کی تین اقسام بتائی ہیں: ۱۔سیاستِ حیوانیہ ۲۔سیاستِ عقلیہ ۳۔سیاستِ دینیہ

ج۔عصبیت اور اس کی اقسام: دفاعی محرک کے پیش نظر تمام انسانوں میں غلبہ وفتح پانے کی خواہش ہوتی ہے۔ابن خلدون اسے "عصبیت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔عصبیت کے بارے میں مقدمہ میں مرقوم ہے:

"فالعصبية ضرورية للملة وبو جو دها تيم امر الله منها" [2]

انہوں نے سیاسی نقطہ نظر سے عصبیت کی دو قسمیں بتائی ہیں : ۱۔عصبیتِ خاص ۲۔عصبیتِ عام

ابنِ خلدون دیگر مسلم مفکرّین کی طرح سوائے فارابی کے انسانی معاشرے کو اقتضائے فطرت انسانی کا لازمی نتیجہ قرار دیتا ہے اور اُسے مجتمع کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔[3]

د۔مملکت کی ابتداء: ابنِ خلدون کے نظریے کے مطابق مملکت کی ابتداء اجتماع کے وجود کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔کیونکہ انسان کی فطرت میں حیوانی خصومت اور تشدد کا عنصر غالب ہوتا ہے، جو اُسے دوسروں سے جنگ کرنے پر آمادہ کرتی ہے چنانچہ اس کے سدِ باب کے لیے کسی ایسے نظام کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کا حکم ماننے پر سب مجبور ہوں اور جو ظلم وستم کو روک سکے، اس طرح مملکت کا وجود ناگزیر بن جاتا ہے اور مملکت کے ساتھ بادشاہ کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

ر۔طاقتور معاشرے کے زوال کے اسباب: ابنِ خلدون کے نزدیک کسی طاقتور قوم یا معاشرے کے زوال کے اسباب تین ہیں:

۱۔ضعف الاشراف ۲۔تشدد الجنود المرتزقة ۳۔الترف: (حد سے زیادہ خوشحالی)[4]

س۔نظریہ خلافت اور خلیفہ کے اوصاف: ابن خلدون کے خیال میں صرف دینی حکومت ہی بہترین حکومت ہے جس کو وہ بھی خلافت کا نام دیتے ہیں۔تمام متکلمین کی طرح ابن خلدون کی رائے یہ ہے کہ خلافت ایک وکالت ہے اس لیے خلیفہ ان معاملات میں جو سیاسی اور دینی اقتدار سے تعلق رکھتے ہیں ہمیشہ پیغمبر کی عکسی تصویر ہوتا ہے لیکن اس کو اور تمام مسلمانوں پر کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں ہوتا، نہ اس کو عالمِ غیب سے کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے، نہ اس کو خداوند منتخب کرتا ہے اور اسی طرح نہ اس کو پیغمبر مقرر کرتا بلکہ اس کا انتخاب

---

[1] ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، مقدمہ کتاب العبر ابن خلدون، (بیروت لبنان: موسسة الکتب الثقافیة)، ج:۱، ص:۱۵۹

[2] ابن خلدون، مقدمہ، ص:۲۱۴

[3] رشید احمد، "مسلمانوں کے سیاسی افکار"، ص:۱۹۳

[4] (۱)۔مقدمہ ابنِ خلدون، ص:۳۰۲ (۲)۔ فلسفة ابنِ خلدون الاجتماعیہ، ص:۱۴۷ (۳)۔ لطفی جمعہ تاریخ فلاسفة الاسلام، ص:۲۳۶

معین شرائط کے مطابق جن کی مخالفت نہیں کی جاسکتی، مسلمانوں کا فرض ہے۔[1] وہ خلیفہ میں چار صفات کا ہونا لازم گردانتا ہے:

۱۔ علم ۲۔ عدالت ۳۔ کفایت ۴۔ اعضاء وحواس کی سلامتی

علم کے سلسلے میں وہ ماوردی کا ہم نوا ہے۔ ابنِ خلدون نے بھی خلیفہ کے علم کا معیار اجتہاد واستنباط قرار دیا ہے، وہ امام غزالی سے اس امر میں اختلاف کرتا ہے کہ جو خلیفہ میں مجتہدانہ صلاحیت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ابنِ خلدون خلیفہ کے دامن کو تقلید کے داغ سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ تاہم ابن خلدون اور روسو کے نظریات میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی تھی۔[2] ابن خلدون کی نظر میں ملک زندگی کا طبعی مرکز ہے۔ جہاں انسانی ضرورتوں نے قدرتی اہمیت حاصل کر لی ہی۔ انسان عادۃً اقتدار پسند ہے۔ حکومت انسان کی اس حیوانی قوت کا اثر ہے جس کا رجحان غلبہ کی طرف رہتا ہے اور جو انسان کے اندر بجائے خود موجود ہے۔[3]

۴.۴۔ ابوالحسن الماوردی [4] کا نظریہ معاہدۂ عمرانی (۹۷۴۔۱۰۵۸ء):

الماوردی کے نظریہ معاہدہ عمرانی کی وضاحت ان کی کتاب الاحکام السلطانیہ کی روشنی میں کی جاتی ہے:

الف۔ خلافت کی ضرورت پر زور: اللہ تعالیٰ نے متنازعہ فیہ مسئلہ نظریہ خلافت کے بارے میں فرمایا:

{وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ }[5]

ماوردی نے اسلامی سیاست اور ریاست کے بنیادی اُصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے خلافت کی ضرورت پر زور اس طرح دیا:

''اپنے احکامات اور قوانین اللہ تعالیٰ نے لوگوں تک پہنچادیے ہیں جن کی رُو سے باہمی جھگڑوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظم ونسق مختلف حکومتوں کے سپرد کر دیا ہے تاکہ دنیا کا نظام درہم برہم نہ ہونے پائے''۔[6]

---

[1] ندوی، مولانا عبدالسلام، ابنِ خلدون، (لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۴۰)، ص:۱۸۹

[2] تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں۔ مقدمہ کتاب العبر (مطبوعہ مصر)، ف:۱، ص:۱۳۵ اور ف:۲۵، ص:۱۵۸

[3] کتاب العبر ابن خلدون (۱۳۲۳ء (ف امامتہ وخلافتہ، ص: ۱۳۳

[4] الماوردی، ابوالحسن، (۹۷۴ء تا ۱۰۵۸ء)، آپ عراق میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد بغداد اور کوفہ کے مراکز علم میں معلمی کے فرائض انجام دینے لگا۔ لیکن جلد ہی نیشاپور میں قاضی کا عہدہ سنبھال لیا۔ انہوں نے مختلف علوم پر کئی کتابیں لکھیں مگر سیاسی میدان میں انہیں شہر دوام حاصل ہوئی۔ اور ان کی ایک تصنیف ''الاحکام السلطانیہ'' نے غیر فانی شہرت حاصل کی اور آج سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود بھی اس کا جواب نہیں ملتا اور اس کی حیثیت اب بھی اسلامی دستور کے اہم ترین مآخذ کی سی ہے۔ ۲۰ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں سیاست کے ہر اِک پہلو پر بحث کی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: الاحکام السلطانیۃ

[5] البقرہ: ۱۲۴ :۲

[6] الماوردی، ابوالحسن، الاحکام السلطانیہ، ص:۱۰

ماوردی خلافت کا قیام، اجتماع انسان کے لیے لازم قرار دیتے ہیں:

"الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین و سیاسة الدنیا وعقدها لمن یقوم بها فی الأمة واجب بالا جماع"۔ [1]

خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے اور حدود اللہ کو قائم کرے جیسا کہ ماوردی بیان کرتے ہیں:

"حفظ الدین علی اصوله المستقره وما أجمع علیه سلف الامة" [2]

اس کے علاوہ امن وامان کا قیام، معاشرے کی اصلاح، قیام عدل، اہل الرائے سے مشورہ کے بعد فیصلہ اور ملکی نظم ونسق کے جملہ امور کی نگرانی [3] خلیفہ کے فرائض میں شامل ہیں۔

ب۔ امامت کے مقاصد: الماوردی نے امامت کے دو مقاصد بتائے ہیں:۔ [4]

ا۔ حق کا بول بالا ہو ب۔ نیک وبد، خیر وشر اور امر ونہی میں تخصیص کر سکے۔

ان کے خیال میں امام پوری قوم کے مشورے سے چنا جانا چاہیے لیکن کس وناکس اس سلسلے میں اپنی رائے نہیں دے سکتا۔ ماوردی کے قول کے مطابق ووٹروں کے بجائے عمر، دولت یا رہائشی قلود کے نیک، صالح، متقی، عاقل اور دانا ہونا ضروری ہے۔ [5]

ج۔ امامت کی اہلیت کی شرائط: ان کے مطابق امامت کے اہل شخص میں یہ سات شرائط ضرور ہونی چاہیں: [6]

۱۔ مکمل طریقے پر راست بازی ۲۔ احکام شریعت کا علم ۳۔ ذہنی طور پر صحت مند ہو

۴۔ جسمانی صحت کے لحاظ سے درست ہو اور اس کے اعضاء صحیح ہوں ۵۔ عقل وفراست کا حامل ہو

۶۔ شجاعت وبہادری کے اوصاف کا حامل ہو ۷۔ خاندان قریش سے تعلق رکھتا ہو۔ [7]

اس سلسلے میں حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ ''الآئمة من القریش''۔ (امام قریش ہی میں سے ہوں گے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] ایضاً، ص: ۲، ۱۲، ۱۱، ۵

[2] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص: ۵۱

[3] ماوردیؒ نے یہ فرائض درج ذیل ترتیب سے بیان کے ہیں: ا۔ حفظ الدین، ۲۔ تنفید الاحکام، ۳۔ حمایة البیضة، ۴۔ اقامة الحدود، ۵۔ تحصین الثغور، ۶۔ جہاد، ۷۔ جبایة الفئی والصدقات، ۸۔ تقدیر العطایا فی بیت المال، ۹۔ استکفاء الامناء، ۱۰۔ ان یباشر بنفسه مشارفة الامور، (حفاظت دین، احکام وشریعت کا نفاذ، ملک کی حفاظت، حدود شرعیہ کا قیام، سرحدوں کی حفاظت دشمن سے جہاد، احکام شریعہ کے مطابق ٹیکس اور صدقات کی وصول مستحقین کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر کرنا دیانت دار لوگوں کو مناسب دینا اور خود تمام اُمور سلطنت کی نگرانی کرنا) دیکھئے: الاحکام السطانیة، ص: ۵۱۔ ۵۲

[4] تفصیلات کے لیے دیکھیے: الماوردی، الاحکام السلطانیہ، باب اول

[5] ایضاً

[6] ایضاً

[7] الماوردی ''اسلام کا نظامِ حکومت'' مترجم ساجد الرحمن صدیقی، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص: ۱۱

فرمایا:

{قال لا یزالُ ھٰذالامر فی قریش ما بقی منھم اثنان }[1]

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خلافت قریش میں رہے گی، جب تک (دنیا میں) ان کے دو آدمی بھی باقی رہیں)۔

د۔امام کے انتخاب کے طریقے: انہوں نے امام کے انتخاب کے دو طریقے بتائے ہیں: [4]

ا۔ایک یہ کہ اہلِ رائے اور صاحبِ فہم لوگ جو معاملات و مسائل کو سمجھتے ہوں، وہ منتخب کریں۔

۲۔دوسرے یہ کہ امام اپنے عہدِ امامت ہی میں اپنا جانشین مقرر کردے۔

پہلے طریقے کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

فقالت طائفة لا تنعقد الا بجمهور أهل العقد والحل من كل بلد ليكون الرضاء به عاما و التسليم الا مامة اجماعا۔ [3]

ر۔وزارت اور وزراء کے اوصاف [4]: اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ سلطان معاملات کو حل کرنے کے لیے دوسروں کے مشوروں کا محتاج ہوتا ہے اور اسی ضرورت نے وزیر کے عہدوں کو جنم دیا۔انہوں نے وزیر کے اوصاف سے بھی تفصیلاً بحث کی ہے۔اگرچہ براہِ راست از روئے مذہب وزیر میں ان اوصاف کا ہونا ضروری نہیں لیکن بالواسطہ ان اوصاف کا ہونا مذہباً ضروری ہے کیونکہ ان اوصاف کے بغیر دنیاوی کاروبار کا جاری رہنا ناممکن ہے۔ [5] آپ نے وزارت کی دو اقسام بتائی ہیں: ا۔وزارت التفویض ۲۔وزارت التنفیذ

پھر وزیر کے اوصاف کے سلسلے میں مامون الرشید کے قول کے مطابق سات خوبیوں کو لازم قرار دیا ہے۔[6]

ا۔ دیانتداری ۲۔ خود اعتمادی ۳۔ حریص نہ ہونا ۴۔ لوگوں سے عمدہ تعلقات

۵۔ موقع شناسی اور تجربہ کاری ۶۔ دیانت کے ذریعے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت

۷۔ عیش و آرام سے بے تعلقی۔

الماوردی نے امام کی صفات کی ایک طویل فہرست تو تیار کردی ہے مگر فارابی کی طرح اس نے ان صفات کی اشخاص کے

---

[1] الصحیح بخاری، امام ابو اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، ج:۲، باب ۵۶ ۳ مناقب قریش، حدیث نمبر ۷۱۶

[2] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، باب اول

[3] ایضاً، ص: ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۲۳

[4] تفصیلات کے لیے دیکھیے: الماوردی، الاحکام السلطانیہ، باب دوئم

[5] رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص: ۷۱

[6] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، باب دوئم

دستیاب نہ ہونے کی صورت میں متبادل حل پیش نہیں کیا۔ فارابی نے اقتدار اعلیٰ کے لئے بارہ صفات گنوانے کے بعد خود محسوس کیا کہ ان تمام صفات کا ایک شخص میں مجتمع ہونا مشکل ہے اس لئے اس نے کہا کہ اگر ان بارہ میں سے کسی میں پانچ یا چھ صفات بھی ہوں تو وہ اچھا فرمانروا بن سکتا ہے۔ اگر ایسا آدمی میسر نہ ہو تو ایسے کو ترجیح دی جائے گی جس نے اس شخص کے زیر تربیت پرورش پائی ہو جو ان صفات میں سے پانچ یا چھ وصفوں کا مالک ہو۔ اگر ایسا آدمی بھی میسر نہ ہو تو ایسے پانچ آدمیوں کی کونسل کو ترجیح دی جائے گی جن میں مجموعی طور پر یہ خوبیاں پائی جاتی ہوں بشرطیکہ ان میں کم از کم ایک حکیم (فلسفی) ہو۔ ماوردی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ سب سے پہلے رائے دینے والوں کی صفات سے باقاعدہ طور پر اسی نے بحث کی ہے۔ [1] ریاستی نظم و نسق کے لیے وہ محکمہ احتساب کی پرزور تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

والحسبة من قواعد الأمور الدينية۔[2]

ماوردی کے خیال میں احتساب سے مراد ہے کہ:

هی أمر بالمعروف اذا ظهر تركه ونهی عن المنكر اذا ظهر فعله۔[3]

ماوردی امارت بالاستیلا کا بالجبر اوالاکراہ قائل ہے وہ امیر بالاستیلا پر بھی کچھ فرائض عائد کر دیتا ہے۔ تاہم وہ اپنے ہم عصر مفکر نظام الملک طوسی کے خلاف امیر بالاستیلا کو بھی امام کی طرح دینی و دنیوی دونوں امور کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ البتہ وزیر کے لئے قریش سے ہونا ضروری خیال نہیں کرتا البتہ اس کا مجتہد ہونا لازمی ہے تاہم وزارت تنفید کے لئے شرائط بھی نسبتاً آسان رکھی ہیں۔ نیز محتسب وقضاۃ وسپہ سالاری پر بھی بحث کی ہے۔ غرضیکہ ماوردی نے مختلف سیاسی اداروں کے بارے میں جو نظریات وافکار یا نظام حکمرانی کے سلسلے میں جو اصول مرتب کئے ہیں وہ اس شہرہ آفاق کتاب "الاحکام السلطانیہ" جس کو اسلامی دستور کا اہم ترین ماخذ کہا جاتا ہے میں بیان کر دیئے ہیں۔ ماوردی مسلمانوں میں پہلا سیاسی مفکر ہے جس نے سیاسیات کے ہر ممکن اصول متعین کیے ہیں اور بڑی حد تک اسلامی احکامات اور جدید تقاہائے زمانہ کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے ذہن میں ایک ہزار سال قبل ہی مستقبل کے مرکزی نظام کا صحیح خاکہ موجود تھا۔

---

[1] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص: ۴۷

[2] ایضاً ص: ۲۵۸

[3] ایضاً ص: ۱۹، ۲۰، ۲۴۰، ۲۴۱

۴.۵۔ شاہ ولی اللہؒ [۱] کا نظریہ معاہدہ عمرانی کے بارے میں افکار:

اٹھارہویں صدی کے شروع اورنگزیب عالم گیر میں مسلمان سیاسی واقتصادی بدحالی کا شکار تھے، کتاب وسنت وفقہ پر بحثیں تلخی اور لڑائیوں پر ختم ہوتی تھیں۔ان پر آشوب حالات میں ایک مصلح پیدا ہوا جو شاہ ولی اللہؒ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جس طرح علامہ ابن خلدون حکومت کو دینی اور دنیاوی قرار دینے میں اسلام کے مذہبی نظریہ اجتماع کی ترجمانی کرتے ہیں۔
اسی طرح امام شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں جن کو ہمارے آخری دور کے علماء اجتماعیات میں اول درجہ کی اہمیت حاصل ہے، حکومت کی تقسیم کو اس کی مخصوص شکل میں تسلیم کرتے ہیں۔[۲] ان کے مطابق انسانی زندگی کے دائرہ میں انسان کے ہاتھوں سے جو سیاسی نظام بنتا ہے وہ شہری اور شاہی اوصاف رکھنے والی حکومت کی بنیاد قائم کردیتا ہے۔اس نظام حکومت کے ماتحت روا (حکومت کا ذمہ دار اعلیٰ) اپنے شہری مرکز میں قیام کرتا ہے، یہاں سے حکومت کی تشکیل شروع ہوجاتی ہے۔ایک ارجمند حکومت کو جس مثالی قانون (سُنت راشدہ) کا پابند ہونا چاہیے اُس سے اپنے تعلق کو توڑ لیتے ہیں۔ان میں دنیاداری کی حقیر طمع پیدا ہوجاتی ہے۔دشمنی اور حسد بڑھ جاتا ہے، سرمایہ داری اور زمینداری یہ دو ایسے مفاد ہیں جو معرکہ جنگ کا باعث بن جاتے ہیں۔[۳]

شاہ صاحب کے نظریے کے مطابق شہد کی مکھیوں اور پرندوں کی طرح انسان بھی اپنے حفاظتِ نفس اور بقائے نسلِ انسانی کی خاطر اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔شاہ صاحب نے مکتوب پنجم بنام نجیب الدولہ میں فرمایا تھا:
''سیکولر نظریہ کے سوا اسلامی حکومت کی کوئی بنیاد نہیں ہے اس لیے ہر اس شخص کو جو باضابطہ اسلامی حکومت کی حفاظت میں آگیا خواہ وہ کچھ ہی مذہب رکھتا ہو، شاہ صاحبؒ نے دلی کے مسلمانوں کے ساتھ دلی کے غیر مسلم باشندوں کی حفاظت کی شدید تاکید اس لیے کی ہے کہ اس کے سوا اسلامی سیاست میں کسی دوسرے تصورّ کی گنجائش ہی نہیں ہے'' ۔ [۴]
آپ نے سیاسۃ المدینۃ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"سیاسة المدینة وهی الحکمة الباحثه عن کیفیة حفظ الربط الواقع بین اهل المدینة وأعنی جماعة متقاربة تجری بینهم المعاملات ویکونون اهل منازل شتی ولاصل فی ذلک أن المدینة من

---

[۱] شاہ ولی اللہ ابو الفیاض قطب الدین احمد بن شاہ عبدالرحیم بن شاہ وجیہہ الدین الدہلوی (۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء) نے تفسیر کے ساتھ ساتھ حدیث، فقہ، معانی، کلام، ادب، فلسفہ اور منطق کے علاوہ طب اور ریاضی میں بھی مہارت حاصل کی۔آپ کی کتب کی تعداد سو سے زائد ہے لیکن صرف اکسٹھ کتب کی تفصیلات مہیا ہوسکی ہیں۔معاہدہ عمرانی کے حوالے سے حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ اہم ترین کتابیں ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھیے: شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (بریلی: مطبع مولوی محمد منیر، س۔ن)، ج:۱، ص:۴۳

[۲] ولی اللہ شاہ، حجۃ اللہ البالغہ باب الانفاق الرابع (سیاسۃ الاعوان)، ج:۱، ص:۴۷

[۳] ولی اللہ شاہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۴۷

[۴] نظامی، خلیق احمد، ''شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۷۸ء)، ص:۷

شخص واحد من جهة ذلک الربط مرکب من اجزاء وهيئة اجتماعية وکل مرکب يمکن ان يلحقه خلل فی مادته اوصورته ويلحقه مرض" [1]

بعدازاں سیاسۃ الاعوان کے پیش نظر فرمایا:

"سياسة الاعوان لما کان الملک لا يستطيع اقامه هذه المصالح کلها بنفسه وجب ان يکون له بازاء کل حاجة اعوان ومن شرط الا عوان الا مانة والقدرة علی اقامة ما امروابه والقيادالملک والنصح له ظاهراو باطنا" [2]

شاہ صاحب اپنے زمانے کے مجتہد اور عظیم عمرانی مفکر تھے جنہوں نے صرف مذہبی پہلو سے نہیں بلکہ معاشی و معاشرتی اور اجتماعی لحاظ سے بھی ہندوستانی مسلمانوں کو جہالت، تنگ نظری اور سیاسی انتشار سے نکلنے میں مدد دی۔ آپؒ نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں مختلف عمرانی موضوعات کو قلم بند کیا۔ جن میں سے چند قابل ذکر موضوعات درج ذیل ہیں: [3]

۱۔ معاشرتی ارتقاء و منازل: شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک معاشرہ ایک تغیر پذیر حقیقت ہے اور اس کی حرکت ارتقائی نوعیت کی ہے اس کا ارتقاء بوڑھے اور سوکھے درخت کی طرح ہے جو سوکھ کر ایندھن کے کام آتے ہیں جمادات جو نرم سے سخت اور سخت سے نرم ہو جاتے ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر اسی خاک میں مل جاتے ہیں۔ حیوانات کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں انسان اور تمام ذی رُوح شامل ہیں یہ بھی اپنی تخلیق کے بعد جوانی کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں اور مٹی میں مل جاتے ہیں۔ انسانی معاشرے میں پہلے اتنی بہتر تنظیم اور خوبی نہ تھی جتنی کہ آج پائی جاتی ہے۔ انسانوں میں جماعت بندی کا جذبہ جتنی قوت کا آج مالک ہے اس سے پہلے نہ تھا۔ اس طرح انسانی معاشرہ ارتقائی منازل طے کرتا جا رہا ہے۔ معاشرے کی انہی منازل کو شاہ ولی اللہؒ نے ارتفاقات کا نام دیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں: [4] شاہ ولی اللہؒ معاشرے کے چار منازل بیان کرتے ہیں جو ایک دوسرے کے بعد آتی ہیں:

"اتفاق الناس علی اصول الارتفاقات اعلم ان الا رتفاقات لا تخلوا عنها مدينة من الا قاليم المعمورة ولا امة من الا مم اهل الا مزجة المعتدلة والا خلاق الفاضيلة من لدن ادم عليه السلام الی يوم القيمة واصولها مسلسة عند الکل قرن بعد قرن وطبقة بعد طبقة" [5]

پہلی منزل: یہ معاشرتی اور ثقافتی ترقی کی ابتدائی منزل ہے جبکہ انسان نے حیوانیت کے دور کو بمشکل چھوڑ کر عقل کی

---

[1] ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغۃ، (بریلی: مطبع مولوی محمد منیر، س۔ن)، ج:۱، ص:۴۳

[2] ولی اللہ، شاہ، ایضاً، ج:۱، ص:۴۵

[3] ولی اللہ، ایضاً، ج:۱، ص:۱۴

[4] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج:۱، ص:۱۳۳۔۱۳۰

[5] ولی اللہ، شاہ، ایضاً، ج:۱، ص:۴۷

وادیوں میں نیا قدم رکھا ہے۔شاہ ولی اللہؒ کے مطابق معاشرے کی پہلی منزل میں خصوصیات: [1] خانہ بدوشی، سادگی، آسان فہم زبان، غیر ترقی یافتہ ذریعہ معاش، بچاؤ کے لیے غار یا جھونپڑے میں پناہ لینا، تصور نکاح کی مقبولیت عام، طاقتور بزرگ بوڑھے کو لیڈر ماننا، ضابطہ اخلاق کی ضرورت، ابتدائی معاشرتی اداروں کا قیام شامل ہے۔ چونکہ سماجی زندگی کی بنیاد اس درجہ پر قائم ہے لہذا چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس پہلے ارتقائی منزل کی مثال آدم اور حواؑ کے زمانے سے ملتی ہے۔

دوسری منزل: معاشرہ جب اپنی پہلی منزل طے کرتا ہے یعنی افراد اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات حاصل کر چکے ہیں انہیں روٹی، کپڑا اور مکان کا فکر نہیں ہوتا تو تب دوسری منزل کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ [2] دوسری منزل میں تین اہم فنون شامل ہیں:

"فن المعاملات وهو الحكمة الباحثة عن كيفية اقامة للمبادلات والمعاونات ولا كساب على الارتفاق الثانی" [3]

یہ اہم فنون درج ذیل ہیں: ۱۔ فنِ آداب ۲۔ فنِ تدبیر منزل ۳۔ فنِ اقتصادیات [4]

یہ دوسرا دور حضرت ادریسؑ کے زمانے سے متعلق ہے یعنی معاشرہ و ثقافت اب ترقی کی شاہراہ پر نکل آتے ہیں۔

تیسری منزل: تیسرے ارتقائی دور کی مثال ہمیں حضرت سلیمانؑ کے زمانے سے ملتی ہے۔ ایسے معاشرے کی خصوصیات یہ ہیں: [5]

ارکان معاشرہ میں مخصوص بلدیاتی طرز تفاعل کا پیدا ہونا، ترقی یافتہ تقسیم کار، باہمی امداد و تعاون کا فروغ، شائستگی و نفاست، مختلف دفاتر کا قیام اور نظام ٹیکس کا نفاذ، علاقائی حدود کے دفاع اور برائیوں کے خاتمے کے لیے محکمہ پولیس اور فوج کا قیام۔

چوتھی منزل: جب معاشرہ سیاسی تنظیم قائم کر لیتا ہے تو معاشرے میں چھوٹی چھوٹی سیاسی تنظیمیں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتی ہیں [6] تو اختلافات کو مٹانے کے لیے اور ان میں تنظیم کو قائم کرنے کے لیے معاشرہ چوتھی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔ جس میں اختلافات ختم ہو کر سکون ہوتا ہے۔ یہ خارجہ تعلقات اور حکمت عملی کا زمانہ ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے مطابق ایک دن دنیا میں چوتھی منزل والا سیاسی نظام قائم ہوگا اور مختلف سیاسی جماعتیں ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں گی اور دنیا چوتھی منزل کو پالے گی۔

۲۔ کامل معاشرہ: شاہ ولی اللہ نے کامل معاشرہ اسے قرار دیا ہے جو ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد اسی نصب العین تک پہنچے جو ایک کامل معاشرے کا ہے۔ اس تصور کا تعین ایسے بڑے فاضل لوگ کر سکتے ہیں جو کامل معاشرے کے تصور سے آگاہ ہوں۔

---

[1] رشید احمد، پروفیسر، مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص: ۲۲۰

[2] رشید احمد، ایضاً ص: ۲۲۰

[3] ولی اللہ، شاہ، ایضاً ص: ۴۲

[4] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۱، ص: ۱۱۹۔ ۱۱۴

[5] ایضاً ص: ۲۲۳۔ ۲۲۲

[6] ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۱، ص: ۲۲۳۔ ۲۲۲

ان کے مطابق کامل معاشرہ میں انسانیت کی چار خصلتیں ہوتی ہیں: ا۔ پاکیزہ ۲۔ خشوع وخضوع ۳۔ ضبطِ نفس ۴۔ عدالت

شاہ ولی اللہؒ کے مطابق کامل معاشرہ وہ ہے جس میں ہر فرد کے تمام تقاضے پورے ہوتے ہوں لیکن یہ اُس وقت ممکن ہے جب انفرادی اور اجتماعی دونوں مظاہر میں عدالت وتوازن کارفرما ہو جب معاشرہ میں توازن پیدا ہوتا ہے تو انسانیت کی درج بالا خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔[۱]

۳۔ اجتماعی زندگی: شاہ ولیؒ اللہ نے حیوانوں اور انسانوں میں اجتماعی زندگی کو لازمی قرار دیا ہے۔ جانوروں میں یہ تعلق اتنا شدید نہیں ہوتا جتنا کہ انسانوں میں۔ فطری تقاضے جماعت پسندی سے معاشرہ میں افراد کے گروہ وجود میں آتے ہیں وہ ان کے دو تقاضے/ وجوہات بیان کرتے ہیں:

ا۔ ہر جاندار شے اپنی زندگی اور جسم وجان کی حفاظت کرنا چاہتی ہو جو معاشرے میں ممکن ہے۔

۲۔ وہ اپنی نسل کی بقاء کی خواہش مند ہوتی ہے جو معاشرے میں پوری اُترتی ہے۔

شاہ ولیؒ اللہ نے ان دونوں عوامل کو معاشرہ کی بنیاد قرار دیا ہے اور جدید ماہرین عمرانیات بھی گروہی زندگی کو معاشرے کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔[۲]

۴۔ امراضِ معاشرہ: شاہؒ ولی اللہ نے معاشرے کی بیماریوں کا بھی ذکر کیا ہے ان کے نزدیک معاشرہ بھی اس طرح بیمار ہوتا ہے جس طرح انسانی جسم۔ نیز معاشرے کی بیماریوں کی یہ اقسام بتائی ہیں: ا۔ غلط قسم کے رسوم ورواج ۲۔ معاشی عدم توازن ۳۔ جرائم

اور یہ تینوں ایسے امراض ہیں جو کہ معاشرتی تنظیم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۵۔ تدبیر منزل شاہ ولیؒ اللہ کی نظر میں: شاہ ولیؒ اللہ نظریہ عمرانی کو" تدبیر المنزل" کا نام بھی دیتے ہیں:

"تدبير المنزل وموالحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين اهل المنزل على الحدالثانى من الا ارتفاق وفيه اربع جمل الزواج والولاد والملكة والصحبة"[۳]

(اس سے مراد وہ یہ حکمت لیتے ہیں کہ جو اہل خانہ کے درمیان پائے جانے والے اس ربط کی حفاظت کے طریقوں سے بحث کرتی ہے۔ جو ربط، ارتفاق کے حدِّ ثانی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس حکمت کے چار حصے ہیں ا :۔ نکاح ۲۔ ولادت ۳ ۔ ملک ۴۔ صُحبت [۴])

---

[۱] رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص: ۲۳۳

[۲] رشید احمد، ایضاً، ص: ۲۱۸۔۲۱۷

[۳] ولی اللہ، شاہ، ایضاً، ج: ا، ص: ۴۰

[۴] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ا، ص: ۱۱۷

۶۔خلیفہ کے اوصاف یہ گردانتے ہیں:

"الخلافة أعلم انه يشترط فى الخليفه ان يكون عاقلابا لغا حراذكر شجاعا ذاراى وسمع البصير ونطق وممن سلم الناس مشرفه وشرف قومه ولا يستنكفون عن طاعته" [۱]

۶.۴۔ امام غزالیؒ [۲] کا نظریہ معاہدہ عمرانی:

آپ ایک مشہور عالم تھے جس نے سیاسی اور عمرانی افکار پر کتب لکھیں۔آپ کی سب سے مشہور کتاب "احیائے علوم الدین" ہے جو چار حصوں پر مشتمل ہے جس کا دوسرا حصہ خالص عمرانی نوعیت کا ہے جو دنیاوی زندگی سے متعلق ہے جس میں معاشرتی معمولات، گھریلو زندگی، حرام وحلال، تفاعل کے آداب، پیشوں کی خصوصیات اور سیرت رسول ﷺ پر بحث کی گئی ہے۔ [۳]

امام غزالیؒ نے درج ذیل نوعیت کے عمرانی افکار پیش کئے ہیں: [۴]

ا۔گروہی زندگی کے لیے امامت کا وجوب: امام غزالی گروہی زندگی کو تمام معاشرتی زندگی کی بنیاد قرار دیتا ہے۔"احیائے علوم الدین" میں امام غزالیؒ ریاست کی اہمیت کے پیش نظر معاشرے میں گروہی زندگی کو ناگزیر قرار دیتے ہیں کہ افراد ایک دوسرے کے قریب رہ کر شہری زندگی کی بنیاد ڈالتے ہیں پھر ان کے رہن سہن سے معاشرتی ادارے وجود میں آتے ہیں بعدازاں باہمی اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔جن کا فیصلہ کرنے اور ان پر ضبط کرنے کے لیے سیاسی ادارے یعنی عدالتیں اور پولیس وغیرہ وجود میں آتے ہیں۔یہ اصول امام غزالیؒ کو عمرانی فکر کا بھی امام گردانتا ہے۔

امام غزالی فتنہ وفسادات اور اجتماع انسانی کو تنازعات سے بچانے کے لئے امامت کو لازم قرار دیتے ہیں:

لا ينكر وجوب نصب الامام لمافيه من الفوائد ودفع المضار فى الدنيا۔[۵]

نیز کہ امامت (خلافت) کے وجوب کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ امامت کے بغیر دین ودنیا کے معاملات ابتری سے دوچار رہتے ہیں:

---

[۱] ولی اللہ، شاہ، ایضاً، ج:۱، ص:۳۳۵

[۲] الغزالیؒ، ابوحامد محمد بن محمد (۱۰۵۹ء۔۱۱۱۱ء): والد صاحب کے روئی فروش ہونے کی نسبت سے غزالی کہلائے۔ان کا تعلق ایران کے شہر سے تھا۔آپ کے والد کا اپنی اولاد کو عالم بنانے کا شوق تھا اس لیے انہوں نے وصیت کی کہ ان کی اولاد کو دینی وعلمی تربیت دی جائے۔ آپ نے سینکڑوں کتب لکھیں فقہ کے بارے میں مشہور کتب، البسیط، میزان العمل اور احیاء العلوم، کیمیائے سعادت وغیرہ ہیں۔(الکحالۃ، عمر رضا، معجم المؤلفین، (دار صادر، بیروت، س۔ن)، ص:۶/۲۶۶۔۲۶۸)

[۳] رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص:۱۱۰۔۱۰۹

[۴] غزالی، امام، احیاء علوم الدین، (لاہور: شبیر برادرز، ۱۹۹۷ء)، ص:۱۴۴

[۵] ابوحامد محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، ص:۲۰

ان نظام الدین لا یحصل الا بنظام الدنیا و نظام الدنیا لا یحصل الا بامام مطاع۔[1]

اس طرح امام غزالی شخصی حکومت کا تاثر پیش کرتے ہیں۔

۲۔ ریاست ایک عضو کی حیثیت میں: ریاست ایک جسم کی طرح ہے ہمارے جسم کے اعضاء ہمارے ادارے ہیں جو حرکت کرتے ہیں اور ہمیشہ کام کرتے ہیں جبکہ معاشرے کے اعضاء اس کے معاشی و معاشرتی ادارے ہیں اور انسانی خواہشات، ریاست کی مجسٹریٹ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۳۔ معاشرتی انصاف کا قیام: دنیاوی عیش و عشرت اور آرام انسانی موت پر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے احکامات کو سب سے مقدم جاننا چاہیے کیونکہ انبیاء کا مقصد بعثت ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

ولو طوی بساطة و أهل علمه و عمله تعطلت النبوة و أضمحلت الديانة و عمت الفترة و خشت الضلالة وشاعت الجهالة واستری الفساد واتسع الخرق و خربت البلاد، وهلك العباد۔[2]

''کیمیائے سعادت'' میں حکومت کرنے کے انداز کے اصولوں کا خلاصہ یہ ہے:[3]

حاکم کا قناعت پسند اور معاملہ فہم ہونا، لوگوں کو انصاف بہم پہنچانا، بذات خود عیش و عشرت سے اجتناب کرنا، سرکاری فرائض میں میانہ روی اختیار کرنا، اطمینان بخش قانون سازی کرنا، معاملاتِ عوام میں قوی و کمزور کے ساتھ مساوی سلوک کرنا، قانون شکن کے ساتھ غیر صلح جو رویہ رکھنا، علماء سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرنا، غرور و تکبر سے اجتناب کرنا، مجسٹریٹ اور دیگر افسران کا محاسبہ کار۔

۴۔ سماجی عمل: امام غزالیؒ نے اپنے نظریہ سیاست کو اخلاقی قوانین اور عمرانیات کے تابع کر کے سماجی عمل کی بنیاد بتایا ہے۔ امام غزالی کے مطابق اللہ نے اس دنیا کو کام اور محنت کی جگہ بنایا ہے نیز انسان کی پہچان اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ کیا کرتا ہے اس سے بھی سماجی عمل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ان کے اس نظریے کو میکس ویبر نے ۸۰۰ سال بعد پیش کیا تھا۔

غزالی خلافت کے عہدے کی شرائط اہلیت کی فہرست گنوانے میں قدیم فقہاء کے ہمنوا ہیں کہ خلیفہ کو ہر قسم کے جسمانی اور ذہنی عیوب سے مبرا ہونا چاہیے۔ اسے باعزت، شجاع، عقلمند وغیرہ ہونا لازم ہے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ شرائط محض لفظوں ہی تک محدود ہیں یا محض مجرد خصائص کی نشان دہی کرتی ہیں کہ خلیفہ کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی حفاظت کر سکے اور اندرونی نظم و ضبط برقرار رکھ سکے۔ وہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنے پر قادر ہو، وہ امور مملکت کو سرانجام دے سکتا ہو اور سب سے

---

[1] ایضاً ص:105

[2] ایضاً ص: ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۳۷

[3] تفصیلات کے لیے دیکھئے غزالیؒ، امام، کیمیائے سعادت، ص: ۱۶۵

آخر یہ کہ وہ قریشی ہو۔ الغزالی اس میں اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ وہ عباسی ہو۔ [۱]

یہ شرائط بڑی سخت ہیں اور یہ بات اس لئے حیران کن نہیں کہ اصلاً ان شرائط کو کسی نے پورا نہیں کیا۔ صرف ایک شرط پوری ہوتی رہی اور وہ یہ کہ خلیفہ قریشی النسل ہو۔ الماوردی کے نظریے میں تضاد کی وجہ یہ ہے کہ وہ خلیفہ میں ان شرائط کا ہونا لازم گردانتا ہے اور ساتھ ہی اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ قوت عمل سے محروم ہو۔ غزالی کہتے ہیں کہ خلیفہ بننے کی اہلیت رکھنے والوں میں انتخاب کی تین ہی صورتیں ہیں: یا تو خود رسول اللہ ﷺ اسے مقرر کریں یا خلیفہ وقت اسے نامزد کردے یا وہ شخص اسے خلیفہ مقرر کرے جس کے ہاتھ میں دراصل زمام اقتدار ہے۔ الغزالی ہمیں بتاتے ہیں کہ ان کے زمانے میں صرف تیسری صورت ہی کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ [۲] وہ علماء کی آزادی کے حق میں ہیں۔ انہوں نے علماء پر زور دیا کہ وہ سلطان کی خوشامد سے باز رہیں۔ [۳] الغزالی کے نظریہ خلافت کو جس چیز نے ہوا دی وہ الغزالی کا ابتدائی ایام میں یونانی فلسفے سے دلچسپی لینا ہے۔ ہمیں اسی اصول کا ایک دلچسپ بیان نصیر الدین طوسی کے ہاں ملتا ہے جو "فلسفی بادشاہ" کے نظریے کا کچھ کم حامی نہیں۔ [۴] اسلامی مفکرین میں غزالی کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے معاشی نظام کے خدوخال اور اصول اور سلطنت کے میزانیہ (بجٹ) کا خاکہ پیش کیا ہے۔ [۵]

۷.۴۔ ابن تیمیہ [۶] کا نظریہ معاہدہ عمرانی (۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء):

زوال بغداد کے باعث مسلمان جس سیاسی، مذہبی وسماجی بدحالی میں مبتلا تھے اس سے نجات دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے امام ابن تیمیہ جیسا مجدد و مصلح پیدا کیا، انہوں نے نہ صرف زبان وقلم سے جہاد کیا بلکہ شمشیر برہنہ لے کر تاتاریوں کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ عمرانیات پر ان کی کتاب "**الا مامة والسياسة الشرعية فى اصلاح الراعى والرعايا**" نے بڑی شہرت پائی ان کے نزدیک مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنت نبوی پر سختی سے کاربند ہونا چاہیے اور وہ اپنے نظریات کی بنیاد قرآن پر رکھتے ہیں۔

انہوں نے ہم عصر سیاسی حالات میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے ایک نئی راہ نکالی وہ یہ کہ دیگر مفکرین کی طرح وہ حکمران کے اوصاف ہی نہیں بیان کرتے بلکہ وہ اپنی تمام تر توجہ اس کی تشریح وتوضیح کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ [۷] ان کے سیاسی افکار کا

---

[۱] الغزالی: احیاء علوم الدین، جلد دوم، الحرام والحلال، ص: ۱۲۴

[۲] الغزالی، احیاء، ج: ۲، ص: ۱۲۴

[۳] بزم اقبال، قرون وسطی کے مسلمانوں کے سیاسی نظریے، (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۵۸ء)، ص: ۲۹۔۲۸

[۴] طوسی، نصیر الدین، اخلاق ناصری، مقالہ سوم، باب سوم، ص: ۳۰۹

[۵] الغزالی، نصیحۃ الملوک، ص: ۲، ۱۳۴، ۱۴۰

[۶] تقی الدین ابن تیمیہ دمشق کے قریب حران میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۸ھ میں وفات پائی۔ ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، (بغداد: مکتبۃ المثنی، س۔ن)، ص: ۳۔۱۹

[۷] بزم اقبال، ص: ۲۹۔۲۸

محور یہ ہے کہ احکماتِ شرعیہ معاشرے کی اصلاح و تنقیح میں کس حد تک معاون ہیں۔[1]

الف۔انسانی طبقے: ابن تیمیہ نہ تو انسانی خصائص پر روشنی ڈالتے ہیں اور نہ ہی وہ اس امر سے بحث کرتے ہیں کہ اجتماع کیسے وجود میں آیا۔وہ نہ تو فارابی کی طرح معاہدہ عمرانی پر یقین رکھتے ہیں اور نہ غزالی کے ہم خیال ہیں کہ اجتماع اقتضائے فطرت انسانی کا نتیجہ ہے، وہ تمام چیزوں کو ان کی موجود صورت میں تسلیم کرتے ہیں۔وہ تمام انسانوں کو ہم جنس بتلاتے ہیں، ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز کے وہ شدید مخالف ہیں۔[2] ''السیاسۃ الشرعیۃ'' میں وہ انسان کی درج ذیل تین اقسام بتاتے ہیں:

۱۔ قسم يغضبون لنفوسهم ولربهم۔ ۲۔ و قسم لا يغضبون لنفوسهم ولا لربهم۔۔

۳۔ والثالث هو الوسط أن يغضب لربه لا لنفسه۔۔ [3]

ب۔دین اور سیاست کا باہمی تعلق: ابنِ تیمیہ کے نزدیک دین اور سیاست لازم و ملزوم ہیں۔ان کی رائے میں سیاست کا مقصد تقرب الی اللہ اور اقامتِ دین ہے اور جب لوگ تقرب الی اللہ کے خواہاں ہوتے ہیں اور اقامتِ دین ان کا مطلوب و مقصود بن جاتا ہے تو لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مال اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کیا جانے لگتا ہے۔[4] وہ ''سیاسۃ الشرعیہ'' میں رقم طراز ہیں:

''ولایت و حکمرانی کا لازمی مقصد خلقِ خدا کے دین کی اصلاح ہے۔اگر لوگوں کا دین برباد ہو جائے تو یہ مہلک ہوگا اور مآل کے اعتبار سے وہ دنیاوی نعمتیں ان کو کچھ فائدہ نہ دے سکیں گی، جن سے منعم حقیقی نے نوازا ہے''۔[5]

گویا کہ ان کے مطابق سربراہِ حکومت کا سب سے بڑا فرض ولایت اور حکومت کو بطور امانتِ الٰہی تصور کر کے اس کی حفاظت و نگہداشت کرنا ہے۔اس کا دوسرا فریضہ یہ قیامِ عدل کو قرار دیتے ہیں۔

دنیاوی فلاح اور دینی استحکام کے لیے ابن تیمیہ نے امامت کے قیام کو امت کے لئے لازم قرار دیا ہے:

يحب أن يعرف أن ولاية أمر الناس من أعظم واجبات الدين، بل قيام للدين الابها۔۔[6]

ج۔عمالِ حکومت: ان کے مطابق عمالِ حکومت یہ ہونے چاہیں: ۱۔سپہ سالار ۲۔قاضی ۳۔افسرِ خراج ۴۔افسرِ مالیات

آپ نے ایسے حکام کی سختی سے مذمت کی ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے دست بردار ہو جائیں:

---

[1] ایضاً،ص:۱۶۵

[2] ایضاً،ص:۱۶۵

[3] ابن تیمیہ، سیاسۃ الشرعیہ،ص:۵۷

[4] ایضاً،ص:۱۶۷

[5] ایضاً،ص:۱۷۶

[6] ایضاً،ص:169

وولی الأمر اذ ترک انکار المنکرات واقامة الحدود علیها بما له یأخذ کان بمنزلة مقدم الحرامیة۔۔۔ [1]

ابن تیمیہ ماوردی کے برخلاف امام میں اجتہادی صلاحیت کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس معاملے میں امام غزالی کے ہم خیال ہیں کہ امام علماء کی تقصید کرے تاہم وہ امام میں اصابتِ رائے کو ضروری سمجھتے ہیں تاکہ علماء کے باہمی اختلاف کی صورت میں ایسی رائے کو ترجیح دے سکے جو کتاب وسنت کی روح سے قریب تر ہو۔ابن تیمیہ کے نزدیک انسان مرتبہ میں برابر ضرور ہیں مگر صلاحیتوں میں ایک جیسے نہیں ہوتے۔عقل اور دین میں لوگ مختلف درجے رکھتے ہیں۔کیونکہ ابن تیمیہ نے نظام شوریٰ پر بہت زور دیتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

لاغنی لولی الأمر عن المشاورة

وہ امت کے لئے خلیفہ کی اطاعت لازمی قرار دیتے ہیں تاکہ اصلاح دین ودنیا میں خلل نہ واقع ہو۔ان کو خلیفہ اور خلافت کے مسئلے میں کوئی خاطر نہیں لہٰذا ماوردی اور دیگر مفکرین کی طرح وہ خلیفہ کے اوصاف کی فہرست نہیں پیش کرتے نیز امام کے انتخاب و تقرر کا مسئلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔وہ امام کو شرعی احکامات میں جکڑ دیتے ہیں۔ان کے نزدیک امام خواہ کسی بھی طریقے سے برسراقتدار آیا ہو لیکن ایسا حاکم جو شرعی طریقے پر منتخب ہوا ہو اور معیاری اوصاف کے ساتھ متصف ہو لیکن امور مملکت کے چلانے میں شرعی حدود کی پابندی نہ کرے تو ایسا شخص لعنت سے کم نہیں۔اور اس کی اطاعت لازم نہیں۔بقول ابن تیمیہ:

فعلیه اتباع ذلک، ولاطاعة لأحد فی خلاف ذلک۔ [2]

د۔ولایت کا حق دار/سپہ سالار کی خصوصیات: ابن تیمیہ کے مطابق ہر منصب کے لیے سب سے زیادہ موزوں شخص تلاش کرنا چاہیے۔کیونکہ ولایت وحکومت کے دو رکن ہیں۔قوت اور امانت جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ } [3]

(شعیبؑ کی صاحبزادی نے (کہا) اباجان ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں وہ مضبوط اور امانت دار ہونا چاہیے)۔

ابن تیمیہ کے مطابق ولایت کے حقدار میں درج ذیل صفات ضرور ہونی چاہیں:

"اجتماع القوة والأ مانة فی الناس قلیل ولهذا کان عمر بن الخطاب رضی الله عنه یقول: اللهم أشکو الیک جلد الفاجر و عجز الثقة، فالواجب فی کل ولایة الاصلح بجسها فاذا تعین و رجلان

---

[1] ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ج:۱،ص:۳۵۴

[2] ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ج:۱،ص:۳۵۴

[3] سورۃ القصص۲۸:۲۶

أحدهما أعظم أمانة والآخر أعظم قوة قدم أنفعهسما لتلك الولاية وأقلهما ضررا فيها، فيقدم فى امارة الحروب الرجل القوى الشجاع وان كان فيه فجور۔ على الرجل الضعيف العاجز وان كان أمينا كما سئل الامام احمد عن الرجلين يكونان أميرين فى الغزو، وأحدهما قوى فاجر والآخر صالح ضعيف مع أيهما يغزى۔ فقال: أما الفاجر القوى فقوته للمسلمين وفجوره على نفسه، وأما الصالح الضعيف فصلاحه لنفسه وضعفه على المسلمين۔ فيغزى مع القوى الفاجر" [1]

وہ ولایت وحکومت کو امانت الٰہی قرار دیا ہے جس کا ادا کرنا اس کے موقع ومحل میں واجب ہے۔امانت کو دو قسموں، ۱۔امانۃ فی الولایۃ ،۲۔امانۃ فی الاموال۔ میں تقسیم کرتا ہے۔

ابن تیمیہ راعی اور رعایا کو مذہبی اور مال حقوق وفرائض کی بجا آوری پر بہت زور دیتے ہیں ان کے نزدیک جن معاملات میں کتاب وسنت خاموش ہیں ان میں سربراہ مملکت کو صرف ایسے لوگوں سے مشورہ لینا چاہیے جو کتاب وسنت اور اجماع سے بخوبی واقف ہوں۔اس معاملے میں ابن تیمیہ کے خیالات ماوردی کے برخلاف ہیں۔وہ امام میں اجتہادی صلاحیت کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اس معاملے میں غزالی کے ہم خیال ہیں کہ امام علماء کی تقلید کرے تاہم وہ امام میں اصابت رائے کو ضروری سمجھتے ہیں تاکہ علماء کے باہمی اختلاف کی صورت میں ایسی رائے کو ترجیح دے سکے جو کتاب وسنت کی روح سے قریب تر ہو۔

ر۔حدود شرعیہ کا قیام: ابن تیمیہ ارشادِ ربانی کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واذا حكمتم بين الناس أن تحكمو ابالعدل فان الحكم بين الناس يكون فى الحدود والحقوق وهما قسمان: فالقسم الأول الحدود والحقوق التى ليست لقوم معينين بل منفعتها لمطلق المسلمين أو نوع منهم، ولكهم محتاج اليها وتسمى حدود الله۔ وحقوق الله مثل حد قطاع الطريق والسراق والزناة ونحوهم، ومثل الحكم فى الأموال السلطانية والوقوف والوصايا التى ليست لمعين، فهذه من أهم أمور الولايات۔ ولهذا قال على بن أبى طالب رضى الله عنه: لا بد للناس من امارة برة كانت أو فاجرة۔ فقيل يا أمير المؤ منين: هذه البرة قد عرفنا ها فما بال الفاجرة فقال يقام بها الحدود وتأمن بها السبل ويجاهد بها لعدو ويقسم بها الفى۔" [2]

---

[1] ابن تیمیہ: السیاسۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، (بغداد: مکتبۃ المثنی، س۔ن) ص:۱۸

[2] ابن تیمیہ: ایضاً ص:۶۰

۸.۴۔ نظام الملک طوسی [۱] کا نظریہ معاہدہ عمرانی:

طوسی نے ملک شاہ سلجوق کی فرمائش پر اصول جہان داری کے موضوع پر ایک کتاب' سیاسۃ نامہ/سیر الممولوک '' لکھی جس میں انہوں نے نظام حکومت کی خامیاں بھی بتائی ہیں۔شاہ سلجوق نے اس کو اپنی حکومت کا دستور قرار دیا۔ اس کی تصنیف کے بارے میں کتاب کے دیباچے میں طوسی لکھتا ہے:

"بندہ را فرمود کہ بعض از سیر نیکو، از آنچہ پادشاھان را از آن چارہ نباشد، بنویس وھر چیز یکہ پادشاھانرا بکار داشتہ اند وا کنون شرط آن بجانمی آرند، چہ پسندیدہ وچہ ناپسندیدہ۔آنچہ بندہ را از دیدہ ودانستہ وشنیدہ وخواندہ فراز آمد، بر حکم فرمان عالی این چند فصل یاد کردہ شد۔" [۲]

انہوں نے سیاست پر ایک جامع کتاب' سیاستِ خارجہ '' کے نام سے لکھی جو ان کی وفات سے چند ماہ قبل لکھی گئی۔

الف۔نظریہ بادشاہت: اس کے نظریے کے مطابق بادشاہ مختار کل ہوتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کر لیتا ہے اور نظم ونسق اور مخلوق کی بہبود اس کے حوالے کر دیتا ہے، لوگوں کے دلوں میں اس شخص کا رعب ڈال دیتا ہے [۳] تا کہ لوگ اس کے عدل کے سائے میں امن وامان کی زندگی گزار سکیں۔اس طرح نظام الملک طوسی بادشاہ کو'' مامور من اللہ'' کہتا ہے اور یہ عوام کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی عوام اس کو کسی حالت میں بھی معزول کر سکتا ہے۔دعات [۴] الٰہی یوں ہی جاری ہے، کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے ایک شخص کو انتخاب کر لیتا ہے، پھر شاہانہ فنون سے آراستہ کر کے اپنی مخلوقات کا انتظام اس کے سپرد کر دیتا ہے، جس سے فتنہ وفساد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بادشاہ کی ہیبت وحشمت کا سب کے دلوں میں سکہ بٹھا دیتا ہے۔تا کہ اُس کے عہد دولت میں خدا کی مخلوق چین سے زندگی بسر کرے، اور بے کھٹکے ہو کر بادشاہ کے دوام سلطنت کی دعا مانگتی رہے۔

ان کے مطابق جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین ومذہب کا خاکہ اڑانے لگتے ہیں، اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اس وقت وہ ان کے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے اور بجائے عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمران مسلط کرتا ہے۔اس دور انقلاب میں خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں، اور گناہ گار اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں۔اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ جب کسی نیستاں میں آگ لگتی ہے

---

[۱] طوسی، نظام الملک، (۱۰۱۸۔۱۰۹۲ء) ایران کے ایک مقام طوس میں پیدا ہوئے۔کاروبار مملکت میں محور بننے کی وجہ سے حکومت کے تمام نشیب وفراز سے کماحقہ واقفیت رکھتا تھا وہ جب سیاسیات کے متعلق لب کشائی کرتا ہے تو سنی سنائی بات نہیں کرتا ہے اور نہ ہی ایسی بات لکھتا ہے جو قابل عمل نہ ہو۔ بلکہ'' سیاست نامہ'' جو اس کی عمر کے آخری سال لکھا گیا وہ اس کی تیس ۳۰ سالہ عملی سیاست کا نچوڑ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، (تہران: ۱۹۳۱ء)، دیباچہ

[۲] طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، (تہران، ۱۹۳۱ء)، دیباچہ

[۳] طوسی، نظام الملک، سیر الملوک، ص: ۵۔۲۲

[۴] مزید دیکھئے سیاست نامہ فصل اول، ص: ۵۔۶

تو اول وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہے پھر ہمسائیگی کے طفیل میں تر و تازہ چیزیں بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔ [1] ان کے مطابق بادشاہوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہیے۔ مگر یہ رضامندی جب ہی ہو سکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل و احسان کیا جائے۔ [2] عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دعائیں مانگتی ہے، جس سے سلطنت مستحکم اور ملک میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا کی نیک نامی حاصل ہوتی ہے۔ اور آخرت کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے۔ مشہور قول ہے کہ ''الملک یبقی مع الکفر اولا یبقی مع الظلم'' یعنی سلطنت کفر سے تو باقی رہ جاتی ہے مگر ظلم و ستم سے نہیں رہتی۔ [3] وہ کہتے ہیں:

''اے میرے شہنشاہ (خطاب از ملک شاہ) خوب سمجھ لیجئے! کہ قیامت کے دن تمام حکمرانوں سے ان کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور یہ عذر کسی کا نہ سنا جائے گا کہ یہ کام فلاں شخص کے سپرد تھا۔ پس جب یہ حال ہے تو بادشاہ کو ذمہ داریوں اور حقوق رعایا سے غافل نہ ہونا چاہیے''۔ [4]

طوسی عورتوں کے سیاست و ریاست کے معاملات میں دخل اندازی کے حق میں نہیں ہے، طوسی اس کے حق میں نہیں ہے۔ اس کے خیال میں یہ جنس نازک، سیاست و حاکمیت کی مشکلات کو سمجھنے سے قاصر ہے، اس کے خیال میں جب بھی عورتوں کا دخل حکمرانوں کے معاملات میں بڑھ جائے گا اس ریاست کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

طوسی کا یہ نقطہ نظر دراصل اسلامیہ تعلیمات سے ماخوذ ہے اور اس نے اپنی رائے کی بنیاد اور پس منظر کے طور پر قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام سے حوالے اور مثالیں پیش کی ہیں۔ [5]

طوسی کامیاب بادشاہت اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے محکمہ جاسوسی کو بھی لازم امر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"باید کہ بہمہ اطراف ہمیشہ جاسوسان روند بر سبیل بازرگانان و سیاحان وصوفیان و داروفروشان و درویشان واز ھرچہ می شنوند، خبرمی آورند تا ھیچ گونہ از احوال چیزی پوشیدہ نماند واگر چیزی حادث شود و تازہ گردد، بوقت خویش تدارک آن کردہ آید: چہ بسیار وقت بودہ است کہ والیان ومقطعان وگماشتگان وامراء سرعصیان ومخالفت داشتہ اند و بر پادشاہ بدسگالیدند و چون جاسوس برسید و پادشاہ راخبر داد۔" [6]

ب۔ وزارت اور وزراء کے فرائض: انہوں نے اپنی ایک اور کتاب ''دستور الوزراء'' میں وزارت کو نہایت خطرناک عہدہ

---

[1] ایضاً

[2] طوسی، سیاست نامہ، فصل دوم، ص: ۸۔۹

[3] ایضاً

[4] ایضاً

[5] نظام الملک طوسی، سیر الملوک، ص: ۱۶۰۔۱۶۳

[6] ایضاً، ص: ۸۸

بتایا ہے اور انہوں نے اپنے بیٹے کو پرزور الفاظ میں تاکید کی کہ اس پرخطر عہدے کو قبول کرنے سے اعتراض کرے، چونکہ طوسی خود بھی ایک وزیر کی سی حیثیت سے کام کرتا رہا تھا لہٰذا وہ اس عہدے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک وزیروں کو روزانہ بہت سے مقدمات کے فیصلے کرنے ہوتے ہیں لہٰذا ذراسی بے احتیاطی سے حق تلفی اور ظلم کا ارتکاب ہوتا ہے [1] ظلم اس کی نظر میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس نے اپنے عہد وزارت میں قیامِ عدل کا خاص اہتمام کر رکھا تھا۔ نیز [2] طوسی وزراء کے درج ذیل فرائض تحریر کرتا ہے: ۱۔ دین کی حفاظت۔ ۲۔ بادشاہ کا فرمانبردار۔ ۳۔ مجاہدوں اور اصحابِ قلم کی دلجوئی کرنا۔

نظام مملکت کو مثالی انداز میں چلانے کے لئے اس نے وزارتی نظام کو اتنی اہمیت دی ہے کہ نصیحۃ الملوک کے ساتھ ساتھ دستور الوزراء بھی لکھی جس میں مذکورہ بالا اجمال کی تفصیل موجود ہے۔ [3]

۴.۹۔ سرسید احمد خان اور عمرانی معاہدہ

سرسید بڑی جامع اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ مذہب ہو کہ سیاست، تعلیم ہو کہ اخلاق، معاشرت ہو غرضیکہ ہر میدان میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اپنے افکار کی وضاحت میں بالعموم قرآن وحدیث سے ثبوت دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے برعکس وہ غلامی کو از روئے اسلام ممنوع قرار دیتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ سرسید پہلے مسلم مفکر ہیں جنہوں نے قدیم آسمانی کتابوں اور بانیان مذاہب کے اقوال سے بھی استدلال کیا ہے مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے قول کے ذریعے فاتح اور مفتوح اقوام میں محبت واخوت کے رشتے کی ضرورت کو واضح کرتے ہیں علاوہ ازیں اپنے نظریہ کے اثبات میں تاریخی شواہد سے بھی مدد لیتے ہیں پھر نہ صرف مسلم تاریخ بلکہ غیر مسلم وغیر ایشیائی اقوام کی تاریخوں کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ فارسی وعربی اشعار سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ حقیقت پسندی اور عینیت پسندی کا جو فرق وتقابل ماوردی اور ابن طقطقی میں ہے بالکل اسی قسم کے فرق کا احساس شاہ ولی اللہ اور سرسید احمد میں محسوس ہوتا ہے۔ سرسید کی تمام تر کوشش اس امر پر صرف ہوئی کہ اسلامی سیاسی تصورات کو مفید نظریات کے ساتھ مسابقت دے دی جائے اور اسلامی قانون سیاست کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس میں اور یورپی طرز فکر میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے ان کے خیال میں آفرینش کے وقت عقل کا زیور انسان کو پہنایا گیا تھا پھر وہ تجرباتی عقل کے قائل ہیں۔ وہ مذہب اور عقل کو جدا نہیں کرتے مگر سیاست اور مذہب میں ان کے نزدیک کوئی رشتہ نہیں ہے۔ بلکہ مذہب کو سیاست کی راہ میں زبردست روڑا کہتے ہیں۔ سرسید کے نزدیک حکومت کی دو اقسام ہیں ''مہذب'' اور ''غیر مہذب'' نیز وہ حکومت اور رعایا کی مداخلت کو حکومت کی خوبی اور پائیداری کے لئے لازمی سمجھتے ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ کانپوری مولوی محمد عبدالرزاق، نظام الملک طوسی، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۳ء)، ص: ۲۹۳۔۲۴۷

[2] ایضاً

[3] دستور الوزراء، ص: ۳۶

انگریزوں کے ساتھ غیر مشروط وفاداری کو برقرار رکھنے کی غرض سے سید احمد خان ہندوستان کے مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان اتحاد اور یگانگت کو نامناسب تصور کرتے تھے۔ وہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہندوستانی عوام میں وحدت اور یکجہتی پیدا ہوئی تو اس سے برطانوی سلطنت کو شدید خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد برصغیر کے عوام کی تحریک آزادی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے "اسباب بغاوت ہند" میں انہوں نے نوآبادیاتی حکمرانوں کی توجہ اس حقیقت کی جانب دلائی تھی کہ اگر وہ اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تضادات کو نہ صرف برقرار رکھنا ہوگا، بلکہ ان کی شدت کو زیادہ تیز کرنا ہوگا۔[1]

سرسید سے پہلے اکثر مفکرین غلامی کے جواز کے قائل تھے محض اس مظلوم طبقے سے نرمی و رحم دلی کا سلوک چاہتے تھے۔ مگر سید صاحب نے اس کے عدم جواز کا نظریہ پیش کیا اور بردہ فروشی کو خارج از سلام قرار دیا ہے وہ پہلے شخص ہیں جو لڑائی میں بھی غلام بنانے کا حکم قرآن سے ثابت نہیں کرتے۔ البتہ رعایا کی طرف سے احتجاج کو بھی اطاعت کے منافی قرار دیتے ہیں۔

سرسید احمد خان نے "رسالہ اسباب بغاوت ہند" میں گورنمنٹ کے خلاف سرکشی کے تحت پانچ اسباب بیان فرمائے جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ رعایا کی حکومت کے بارے میں غلط فہمی ۲۔ حکومت ہندوستان اور ہندوستانیوں کی عادات و اطوار کے خلاف آئین و ضوابط کا اجراء

۳۔ گورنمنٹ کا رعایا کے اصل حالات و اطوار سے ناواقفیت ۴۔ گورنمنٹ کی جانب سے ان امور کا ترک ہونا جو واجب اطاعت تھیں۔

۵۔ فوج کی بدانتظامی اور بے اہتمامی [2]

سرسید کے ہاں عورت کو بھی مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں جبکہ ان کے تقریباً تمام پیش رو مفکرین اس بات پر متفق تھے کہ عورت کو سیاست میں دخل اندازی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جبکہ نظام الملک طوسی کے نزدیک تو عورت ضعیف العقل ہونے کے باعث سیاست میں دخل اندازی کی مستحق نہیں ہے اور ابن طقطقی جیسے مفکر نے اگرچہ مشورہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا تاہم ان کے مشورے کے خلاف عمل کرنے پر زور دیا ہے۔ تاہم عورتوں کو کاروبار مملکت میں مردوں کے دوش بدوش شریک ہونے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

فوج کے معاملے میں بھی سرسید کے خیالات بالکل واضح ہیں جس طرح گیارہویں صدی عیسوی کا مفکر کیکاؤس بن وشمگیر

---

[1] اسماعیل پانی پتی، مولانا محمد، (مرتب) مقالات سرسید، ج:۷، ص:۱۰۷

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، سرسید احمد خان، رسالہ اسباب بغاوت ہند، (لاہور: منشی فضل الدین ککے زئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت)، ص:۱۷۔۵۶

فوج میں بغاوت کے رجحانات کو ختم کرنے کے لئے بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ مختلف قوم اور نسل کے لوگ فوج میں بھرتی کئے جائیں سر سید بھی اس قسم کے خیالات رکھتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ کیکاؤس ایک ہی فوج میں مختلف عناصر کی شمولیت کا خواہاں ہے جبکہ سر سید مختلف اقوام کی جداگانہ پلٹنیں قائم کرانے کے خواہاں۔ کیکاؤس کے نظریے میں یہ نقص ہے کہ ان کے ایک فوج میں جمع ہونے کے صورت میں تعاون واتحاد عمل مفقود ہوگا جبکہ سرسید نے اس نقص کو بھی دور کر کے نادر شاہ کی مثال دی کہ ایک فوج کی سرکشی کو دوسری سے سرکوبی کرنا ممکن ہوگی۔

۱۰.۴۔ علامہ اقبالؒ [1] کا نظریہ معاہدہ عمرانی:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی قوم کے عروج وترقی کا انحصار اس کی سیادت اقتدار اور قوت پر ہے اسی ضرورت کے پیش نظر اقبالؒ کے خطبات میں جا بجا عمرانی وسیاسی افکار ونظریات ملتے ہیں۔ ان کی یہ تقاریر خصوصاً ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ کی تقریر میں عمرانی نظریات پر جو تقریر کی تھی اس میں ان کے سیاسی نظریات پر روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے زیادہ تر عمرانی افکار کو اپنی شاعری میں سمو کر پیش کیا ہے وہ اسلامی طرز استدلال کے لئے قرآنی آیات واحادیث نبویؐ کا حوالہ دیتے ہیں بالخصوص نظم میں۔ آیات ربانی کو حسن وخوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ آہ اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں حرف لا تدع مع اللہ الھاً اخر [2]

۲۔ ہستی مسلم ز آئین است وبس باطن دین نبیؐ این است وبس [3]

آپ نے اسلامی ریاست کے بارے میں فرمایا:

''اسلامی ریاست حکومت الٰہیہ سے تعبیر ہے، ہر اس ریاست کو حکومت الٰہیہ ٹھہرایا جائے گا جس کی بنا تغلب کی بجائے مثالی اور عینی اصولوں پر ہوگی''۔ [4]

اقبالؒ حکماء، اکابر، صوفیائے اسلامی اور سلف صالحین کی زریں آراء کو بھی بطور سند پیش کرتے ہیں وہ ماوردی کے امامت کے اوصاف بھی دھراتے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں دو مختلف علاقوں میں دو امام کے جواز میں ابن خلدون کی رائے بھی نقل کرتے ہیں۔ مسلم مفکرین سے ہی نہیں وہ غیر مسلم مغربی مفکرین کے افکار بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں اگر وہ غیر اسلامی نہ ہوں تو۔ البتہ غیر مسلم مفکرین پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور خلاف اسلام پیش کئے گئے نظریہ پر دلائل وبراہین سے مسلح ہو کر تردید برآمادہ نظر آتے ہیں۔ مثلاً

---

[1] اقبال، علامہ محمد، (۹ نومبر ۱۸۷۷ء۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء) مشہور مفکر اسلام، سیاستدان اور شاعر مشرق تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: Iqbal: The Reconstruction of Religious Thought in Islam, pp.V-XiX.

[2] اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ضرب کلیم، (لاہور: ناشر، جواد اکمل بٹ، س۔ن)، ص:۴۹

[3] اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، (فارسی)، زبور عجم، (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س۔ن)، ص:۱۹۵

[4] اقبال، علامہ محمد، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مترجم سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۵۸ء)، ص:۲۳۸

افلاطون وارسطو بھی تنقید سے نہ بچ سکے۔لوتھر کو بھی ہدفِ اعتراض بناتے ہیں۔الغرض علامہ اقبالؒ معاشرے کی بنیاد کسی خارجی چیز پر نہیں رکھتے جیسے ہابس اور روسو معاہدہ عمرانی پر عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک اتحاد کی جڑ عقائد ونظریات پر ہے اور یہ نظریات جس قدر دوامی اور جاودانی ہوں گے معاشرے کا وجود بھی اسی قدر فنا سے نا آشنا ہوگا۔ان کے نزدیک ملت کی بنیاد اشتراک وطن ولسان نہیں بلکہ اشتراک عقائد پر ہے۔

یوں تو فرد وملت کے تعلقات کے متعلق مفکرین کبھی متحد الخیال نہیں رہے۔ایک گروہ جس نے انفرادیت پر بہت زور دیا ہے اس نے اجتماعیت کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا ہے اس کے برعکس دوسرے گروہ نے اجتماعیت کو ہی اصل سمجھا تو افراد اس میں گم ہو کر رہ گئے۔علامہ اس افراط وتفریط سے مبرا ہیں وہ انفرادیت کو اہمیت دیتے ہیں مگر اجتماعیت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔جیسا کہ ان کا یہ شعر ہے:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　　موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں [1]

علامہ نے اپنے لیکچر "ملت بیضا پر عمرانی نظر" میں فرد وملت کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔وہ سیاست کو مذہب سے جدا نہیں سمجھتے جیسا کہ ان کا ایک مشہور ومعروف شعر ہے:

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو　　　جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی [2]

اسلامی الٰہیات کی نئی تشکیل کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ کی اولیت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا:

"ہم مسلمانوں کو ایک بہت بڑا کام درپیش ہے۔ہمارا فرض ہے کہ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کیے بغیر اسلام پر بحث ایک نظام فکر از سرِ نو غور کریں یہ غالباً شاہ ولی اللہ دہلوی تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایک نئی روح کی بیداری محسوس کی"۔[3]

آپ نے خلافت کے بارے میں فرمایا:

حرفِ اِنّی جاعل تقدیر او　　　از زمیں تا آسماں تفسیر او [4]

انتخاب خلیفہ میں وہ ماوردی کی شرائط کی اتباعت کرتے نظر آتے ہیں۔اقبالؒ کے عمرانی افکار میں حقیقت پسندی اور عینیت پسندی کا دلچسپ امتزاج ملتا ہے وہ "دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو" کی تمنا رکھتے ہیں تاہم جدید تحریکات سے بھی متاثر نظر آتے ہیں بشرطیکہ وہ اسلامی تعلیمات کے منافی نہ ہوں۔اسی چیز نے اقبالؒ کو بیسویں صدی کا سب سے بڑا مفکر اور عظیم مصلح بنا دیا ہے۔ان کے نظریے کے مطابق امامت یا خلافت ایک فرد کے بجائے ایک اسمبلی کے اختیار میں دی جا سکتی ہے وہ فرماتے ہیں:

---

[1] اقبال،علامہ محمد،کلیات اقبال،(اردو)،بانگ درا،ص:۱۴۷

[2] اقبال،ایضاً،ص:۲۳۳

[3] اقبال،ایضاً،ص:۱۴۵

[4] اقبال،علامہ محمد،کلیات اقبال،(فارسی)،جاوید نامہ،(لاہور:شیخ محمد بشیر اینڈ سنز،س۔ن)،ص:۹۴

"The first question that arises in this connection is this……Should the Caliphate be vested in a single person? Turkey's Ijtihad is that according to the spirit of Islam the Caliphate or Imamate can be vested in a body of persons, or an elected Assembly. The religious doctors of Islam in Egypt and India, as for as I know, have not yet expressed themselves on this point. Personally, I believe the Turkish view is perfectly sound. It is hardly necessary to argue this point. The republican form of government is not only thoroughly consistent with the spirit of Islam, but has also become a necessity in view of the new forces that are set free in the world of Islam.'' [1]

علامہ اقبالؒ کی رائے میں جبری انتخاب قطعاً ناجائز ہے اگرچہ مصری مفکر ابن جماعہ فتنہ وفساد کے زمانے میں اس قسم کے انتخاب پر مہر جواز ثبت کرتا ہے لیکن علامہ اقبالؒ کے مطابق شریعت ایسے عمل کو جو فوری اور ہنگامی ضرورت سے پیدا ہو تسلیم نہیں کرتی۔ جبری انتخاب جو اسلامی حکومتوں میں عمل میں آئے وہ بے شک وشبہ تاریخی واقعات کی نظیروں پر مبنی تھے نہ کہ آئین اسلام پر۔ نیز آپ نے حقیقی جمہوریت کے قیام وفروغ کے لیے فرمایا:

متاعِ معنی بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی؟	ز موراں شوخیٔ طبع سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو	کہ از مغز دوصد خر فکرِ انسانے نمی آید [2]

خلاصہء کلام:

معاہدہ عمرانی اجتماع کی وہ شکل ہے، جس کے تحت مملکتِ اسلامی کے ذریعے تمام قوتِ اجتماعی کے ذریعے ہر شریک کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی جاتی ہے۔ دراصل عمرانیات کا علم اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ مشرقی علوم کے تمام پہلوؤں کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف مسلم مفکرین نے اپنے اپنے نظریات پیش کیے ہیں مگر سب کا ایک بات پر اتفاق ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور امام کا اوّلین فرض ملک میں امن وامان کو قائم رکھنا ہوتا ہے اور مجموعی اخلاقی نظام کا قیام ہے۔ جو کہ مملکت اسلامی کے قیام کے لیے لازم اور اولین شرط ہے۔

---

[1] Iqbal, Allama Muhammad, 'The Reconstruction of Religious Thought in islam' (Lahore: Institute of Islamic Culture, 1996, P.124

[2] اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، (فارسی)، پیام مشرق، ص: ۱۴۴

اہم مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

1. احمد خان، سرسید، رسالہ اسباب بغاوت ہند، (لاہور: منشی فضل الدین ککےزئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت)
2. اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ضرب کلیم، (لاہور: ناشر، جواد اکمل بٹ، س۔ن)
3. اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، (فارسی)، زبور عجم، (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س۔ن)
4. اقبال، علامہ محمد، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مترجم سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۵۸ء)
5. اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، (اردو)، بانگ درا، (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س۔ن)
6. اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، (فارسی)، جاوید نامہ، (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س۔ن)
7. اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، (فارسی)، پیام مشرق، (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س۔ن)
8. ارسطو، پالیٹکس (انگریزی)، (مرتبہ سٹینگر ٹی۔اے، ج۔ا)
9. اسماعیل پانی پتی، مولانا محمد، (مرتب) مقالات سرسید، (لاہور)
10. انٹر نیشنل انسائیکلو پیڈیا آف دی سوشل سائنسز (نیویارک: دی میک ملن کمپنی۔ ۱۹۷۲ء)
11. بزم اقبال، قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریے، (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۵۸ء)،
12. البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، (مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن)
13. ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، (بغداد: مکتبۃ المثنی، س۔ن)،
14. ابن تیمیہ، منہاج السنہ، (بغداد، س ن)
15. حاکم نیشاپوریؒ، المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، (ریاض: مکتبۃ المعارف، س۔ن)
16. عبدالحمید پروفیسر، عمرانی نظریہ تحقیق، (لاہور، س ن)
17. ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، مقدمہ کتاب العبر ابن خلدون، (بیروت لبنان: موسسۃ الکتب الثقافیۃ)
18. ابن خلدون، مقدمہ کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر، مترجم سعد حسن خان یوسفی، (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، سن ندارد)
19. خلیفہ، مصطفیین عبداللہ (م ۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، (بیروت۔لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء
20. رشید احمد، پروفیسر "مسلمانوں کے سیاسی افکار"، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۶۱ء)
21. روسو، ژاں ژاک، Social Contract، معاہدہ عمرانی، مترجم ڈاکٹر محمود حسین، (کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۶۴ء
22. شمٹ Schmidt، ابن خلدون (لاہور: ۱۹۷۶ء،
23. شفیع، مفتی محمد، مولانا معارف القرآن، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۱۰ء)، روسو "معاہدۂ عمرانی"، مترجم محمود حسین (ڈاکٹر)،) کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ)

24. الطبری، جامع البیان عن تاویل القرآن، (قاہرہ: تحقیق شاکر)

25. طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، (تہران: ۱۹۳۱ء)، دیباچہ

26. غازی حامد انصاری، اسلام کا نظام حکومت، (لاہور: مکتبہ الحسن، س۔ن)

27. الغزالی ابوحامد محمد امام، احیاء علوم الدین، (لاہور: شبیر برادرز، ۱۹۹۷ء)

28. غزالیؒ، امام، کیمیائے سعادت، (لاہور: شبیر برادرز، ۱۹۹۷ء)

29. الغزالی، نصیحۃ الملوک، (لاہور: شبیر برادرز، ۱۹۹۷ء)

30. الفارابی، ابونصر، کتاب آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ، (بیروت، لبنان: المطبعۃ الکاثولیکیۃ، س۔ن)

31. ابونصر فارابی، احصاء العلوم مترجم ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۱۹۹۹ء)

32. فکر و نظر، اسلام آباد، (ج۔۱۶، ش۔۱، جولائی ۱۹۷۸ء)

33. ابن قتیبہؒ دینوری، عبداللہ بن مسلم (م ۲۷۶ھ) المعارف، (قاہرہ، س۔ن)

34. (الکحالہؒ، عمر رضا، معجم المؤلفین، (دار صادر، بیروت، س۔ن)

35. کانپوری مولوی محمد عبدالرزاق، نظام الملک طوسی، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۳ء)

36. لطفی جمعہ، محمد، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، (لاہور: مجلس ترقی ادب)

37. مسلم بن الحجاج، صحیح المسلم، (بیروت: دار المعرفۃ، س ن)

38. الماوردی ابوالحسن علی بن محمد حبیب، الاحکام السلطانیہ وولایات الدینیۃ، (بیروت: لبنان)

39. الماوردی ''اسلام کا نظامِ حکومت'' مترجم ساجد الرحمن صدیقی، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)

40. ندوی، معین الدین، سیر الصحابہ، (معارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۱ء)

41. ندوی، مولانا عبدالسلام، ابنِ خلدون، (لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۴۰)

42. نوشہروی، مولانا ابو یحیی امام خان، ''حضرت عمرؓ کے سیاسی نظریے''، (لاہور: مکتبہ نذیریہ، ۱۹۷۹)

43. نظامی، خلیق احمد، ''شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۷۸ء)

44. ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغۃ (بریلی: مطبع مولوی محمد منیر، س۔ن

45. ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، (مصر: مصطفی البابی، ۱۹۵۵ء

46. Iqbal, Allama Muhammad, 'The Reconstruction of Religious Thought in islam' (Lahore: Institute of Islamic Culture, 1996,